دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

جلد - شمارہ - ذی الحجہ ھ-محرم ھ مطابق دسمبر ء - جنوری ء

نگراں

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب
مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب
استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند-۲۴۷۵۵۴ یوپی

ہندوستان سے فی شمارہ روپے، سالانہ روپے
سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ روپے
بنگلہ دیش سے سالانہ روپے، پاکستان سے ہندوستانی رقم روپے

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Mob. : 09411649303 *(Manager)*
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

R. N. I. No. 2133/57

DARUL ULOOM Monthly (Urdu) Printed, Published by Maulana Marghubur Rahman, Owned by Darul Uloom Grush. Published From Deoband, Saharanpur, U.P. Printed at Darul Uloom Printing Press Deoband, Saharanpur
Editor : Maulana Habibur Rahman Azmi

فہرست مضامین

صفحہ	نگارش نگار	نگارش	نمبر شمار
۳	حبیب الرحمٰن اعظمی	حرفِ آغاز	۱
۶	مولانا شوکت علی قاسمی بستوی	اسلام میں دیگر اقوام اور اہل مذاہب کے ساتھ رواداری	۲
۱۷	ڈاکٹر مفتی محمد شمیم اختر قاسمی	ہندوستان میں اشاعت اسلام سے متعلق اعتراضات کا جائزہ	۳
۵۲	جناب فروغ احمد قاسمی	□یرغار، لمحات زندگی	۴
۶۲	عزیز بلگامی	□ □، □لِ حکمت کی جانب گامزن ہو جائے	۵
۶۸	ڈاکٹر ا□ فاروقی	مصلح کے بھیس میں مفسد ملکی اور عالمی ''□وہت''	۶
۸۲	رشید احمد فریدی	تحقیق الکلام فی بیان الم□ب لوجوب الاحکام	۷

- ○ یہاں اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔
- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے۔ اس لیے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات جناب مولانا شیر محمد صاحب □ □ناظم جامعہ مد□، کر□ □رک، راوی روڈ، لاہور کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

حبیب الرحمٰن اعظمی

دارالعلوم دیوبند ایک دینی ادارہ ہے جو لگ بھگ ڈیڑھ صدی سے انتہائی اخلاص اور جانسوزی سے اسلامی علوم وثقافت کی تعلیم وترویج میں مصروف عمل ہے، جس کے نفع بخش ثمرات کے نتیجہ میں رجالِ کار کی ایک عظیم جماعت منصۂ شہود میں نمایاں ہوئی جس کی جہت عالمگیر خدمات نے چہار دانگ عالم میں دارالعلوم کے نام وکام کو روشن کردیا اور آج دارالعلوم عالم اسلام ہی کا نہیں بلکہ ساری متمدن ومہذب دنیا کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور عقیدت کا مرکز بنا ہوا ہے، ایشیا، افریقہ، یورپ، امریکہ غرضیکہ دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ملے گا جہاں دارالعلوم کے شناسا اور عقیدت کیش نہ ہوں۔

دارالعلوم دیوبند کی تاریخ خدمات کا ایک سنہری باب یہ بھی ہے کہ اس نے ''الدین الخالص'' کی سرحدوں کی نگہبانی اور حفاظت کا فریضہ پوری جانفشانی اور مستعدی کے ساتھ ادا کیا ہے۔ اسلامی آثار وروایات کے خلاف جب بھی کسی فتنہ نے سر اٹھایا تو دارالعلوم کے ساختہ وپرداختہ علماء نے علم وحکمت کے ہتھوں اس کو کچل دیا، اور دین اسلام کو خارجی اثرات کی دست اندازیوں سے محفوظ رکھا۔

علاوہ ازیں علم ودین سے وابستہ دارالعلوم دیوبند کے اکابر وابناء نے وطن عزیز کو سامراج کے پنجۂ استبداد سے نجات دلانے اور ملک کی پیشانی سے داغِ غلامی کو مٹانے کے لئے ایثار وقربانی کی ایک ایسی عظیم تاریخ رقم کی ہے جس کے تذکرہ کے بغیر جنگِ حریت کی داستان مکمل نہیں ہوسکتی ہے۔ جذبۂ حریت سے سرشار علماء وفضلاء کی یہی وہ حوصلہ مندی ہے جس

نے سے پہلے مکمل انقلاب اور آزادیٔ کامل کا نعرہ بلند کیا، اور ریخ گواہ ہے کہ ان کے اس کی تپش کو مالٹا کی فیلی فضائیں اور کالے نی کی طوب ہوائیں بھی سرد کرسکیں۔ قید و بند، جبر و تشدد، ظلم و جارحیت اور خانماں دی و ہ سے ز ہو کر اپنے متعین ہدف کے لئے سرَم عمل رہے اور اس وقت چین سے بیٹھے . کہ ملک آزاد ہوگیا۔

علمائے د بند کو اس حقیقت کا مکمل ادراک ہے کہ ا ملک جہاں بھا بھا کی لی جاتی ہیں، جس کی کھلی اور وسیع فضاؤں میں ان گنت تہذیبیں سانس لے رہی ہیں، جس میں مختلف مذاہب سے لوگ دوش وش ز گی کے احل طے کررہے ہیں، ں وہی نظام حکومت ملک اور اہل ملک کے لئے مفید اور رآور ہوسکتا ہے جو ر اور سیکولرزم کی بنیادوں قائم ہو، کہ حکومت بحیثیت حکومت کے کسی مذہب سے وا واشاعت دلچسپی لے گی بلکہ ہر مذہب کے ما والے امن عا کو ملحوظ رکھتے ہوئے خود اپنے مذہب کے تحفظ وفروغ کے ذ دار ہوں گے، اس لئے ا ں نے ہر قسم کی لف آواز کو نظر از کر کے آزاد ہندو ان میں د ری اعتبار سے رائج سیکولر اور ری نظام حکومت ہی کو جیح دی اور مذہب و ملت کی تفر کے ہر قسم کی فرقہ کو مسترد کر کے ملک میں سیکولر اقدار کو ار اور مستحکم کرنے میں ری مستعدی سے کوشاں ہیں، اپنی اسی فکری جیح کی بنا مجموعی طور ہمیشہ سے ان کی وابستگی ملک کی انھیں سی رٹیوں سے رہی ہے جو اپنے آپ کو سیکولر ہیں اور اسی حیثیت سے وہ ملک میں معروف اور جانی پہچانی جاتی ہیں۔

فرقہ اور اس کے نتیجہ میں دوسروں ظلم و ن دتی، جارحیت و دہشت َدی و ہ سے نفرت و بیزاری ان کا عام شیوہ ہے، اسی لئے کسی تفر کے فرقہ افراد، ، تنظیموں اور رٹیوں سے ان کا کبھی کوئی تعلق اور رشتہ ہے، ان کے فکر و عمل کا یہ اعتدال عالم آشکارا ہے، جس کا اظہار وہ حسب موقع وقتاً فوقتاً اپنی تقریوں و تحریوں کے ذریعہ کرتے بھی رہتے ہیں۔

دارالعلوم د بند اور اس سے وا مدارس و علماء کا یہی علمی، دینی، سی کردار د بیزار اور فرقہ عناصر کے لئے س ن روح بنا ہوا ہے، وہ اپنی دینی اور فرقہ کے نے

میں سے ی رکاوٹ دارالعلوم د بند کو ور کرتے ہیں، اس لئے دارالعلوم کا م سنتے ہی ان جنون طاری ہوجا ہے اور اس عالم جنون میں ا کہہ جاتے ہیں جن کا ہوش و د سے دور کا بھی واسطہ ہو ہے۔

دارالعلوم د بند چونکہ روادار اور سیکولر طا ں کا حلیف اور شر کار ہے، جس طرح یہ سیکولر طاقتیں دارالعلوم د بند اور اس کے علما وفضلاء سے خیر وتعاون کی امید رکھتی ہیں اسی طرح دارالعلوم کے ا ب حل و بھی یہ توقع رکھتے ہیں کہ وقت نے یہ حلیف طاقتیں اپنا د تعاون ھائیں گی، لیکن صورتِ حال یہ ہے کہ فرقہ اور جنونی عناصر دارالعلوم کی عزت و موس پیہم حملہ کرتے رہتے ہیں اور ہمارے یہ حلیف خاموش تماشائی بنے رہتے ہیں بلکہ بسا اوقات ہماری سیکولر حکومتیں جانے کن ذ تحفظات کی بنار ان جنونیوں کو ا مواقع فراہم کردیتی ہیں کہ وہ دارالعلوم کی عظمتوں سے اپنا سر ٹکرائیں، سیکولر طا ں کے اس رویہ سے دارالعلوم د بند سے ز دہ خود سیکولر اقدار کو نقصان پہنچ ر ہے سیکولر حامیوں کو محسوس کر چاہئے۔

گو ے نے ہر اک طرح ہمیں امید بنا
یہ ی وفا کا کمال ہے کہ نباہ کرکے د

ضروری ا ع

کستان و بنگلہ دیش اور ملکی اران کو مطلع کیا جا ہے کہ ڈاک کی شرحوں میں معمولی اضافہ ہوگیا ہے، جس کی وجہ سے ادارہ ان کی سالا اری میں اضافہ کرنے رہے۔

لہٰذا ماہ جنوری ء سے سالا اری کستان و بنگلہ دیش سے =/500 رو ہندو نی اور مما لک سے =/1100 رو ہندو نی کی جارہی ہے۔

اسلام میں

دیگر اقوام اور اہل مذاہب کے ساتھ رواداری

از: مولانا شوکت علی قاسمی بستوی
استاذ دارالعلوم دیوبند
ناظم عمومی رابطہ مدارس اسلامیہ

یہ دعویٰ بڑے زور و شور سے کیا جاتا ہے کہ اسلام اور اس کے ماننے والے دوسرے مذہب والوں کو برداشت کرنے کے روادار نہیں، یہ ایک گمراہ کن دعویٰ ہے، اس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں، یہ اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کی عالمی سازش کا ایک حصہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام دینِ رحمت ہے، اس کا دامنِ محبت و رحمت ساری انسانیت کو محیط ہے۔ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو سخت تاکید کی ہے کہ وہ دیگر اقوام اور اہل مذاہب کے ساتھ مساوات، ہمدردی، غم خواری و رواداری کا معاملہ کریں، اور اسلامی نظامِ حکومت میں ان کے ساتھ کسی طرح کی زیادتی، بھید بھاؤ، امتیاز کا برتاؤ نہ کیا جائے۔ ان کی جان و مال، عزت و آبرو، اموال اور جائداد اور انسانی حقوق کی حفاظت کی جائے۔ ارشاد قرآنی ہے:

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (الممتحنہ:۸)

اللہ تم کو منع نہیں کرتا ان لوگوں سے جو لڑے نہیں دین کے سلسلہ میں اور نکالا نہیں تم کو تمہارے گھروں سے کہ ان کے ساتھ کرو بھلائی اور انصاف کا سلوک، بے شک اللہ چاہتا ہے انصاف والوں کو۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ مکہ میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو آپ مسلمان نہیں ہوئے اور مسلمان ہونے والوں سے ضد اور پرخاش بھی نہیں رکھی

د کے معاملہ میں ان سے لڑے، ان کو نے اور نکا میں ظالموں کے مددگار بنے، اس قسم کے سلموں کے ساتھ بھلائی اور خوش خلقی سے آنے کو اسلام روکتا۔ وہ تمہارے ساتھ ی اور رواداری سے آتے ہیں تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تم بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور د کو دکھلا دو کہ اسلامی اخلاق کا معیار کس قدر بلند ہے، اسلام کی تعلیم یہ کہ ا سلموں کی ای قوم مسلمانوں سے سر پیکار ہے تو تمام سلموں کو بلا تمیز ای ہی لاٹھی سے نکنا شروع کرد ا کر حکمت وانصاف کے خلاف ہوگا۔ حاشیہ ترجمہ شیخ ا ص

دیگر مذاہب والوں کے ساتھ تعاون اور عدم تعاون کا اسلامی اصول یہی ہے کہ ان کے ساتھ مشترک سماجی وملکی ئل ومعا ت میں، جن میں شرعی نقطۂ نظر سے اشتراک وتعاون کرنے میں کوئی ممانعت ہو ان میں ساتھ دینا چاہیے۔

دیگر مذاہب اقوام کے کچھ لوگ اگر مسلمانوں سے سخت عداوت اور د بھی رکھتے ہوں تب بھی اسلام نے ان کے ساتھ رواداری کی تعلیم دی ہے۔ ارشاد نی ہے

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ سورۂ فصلت

ی کا نیکی سے دو پھر جس شخص کے ساتھ تمہاری عداوت ہے وہ تمہارا گرم جوش حامی جائے گا۔

کفار مکہ کے ساتھ حسن سلوک

وہ کونسا ظلم تھا جو کفار ومشرکین نے مکہ میں سرکار دوعالم اور صحابہ کرام کے ساتھ روا ر ۔ آپ کو جادو، شاعر اور کاہن کہا گیا، آپ کو جسمانی اور ذ اذیتیں دی گئی، آپ پتھروں اور سنگریزوں کی رش کی گئی، آپ کے را میں کانٹے بچھائے گئے، آپ کا گلا گھونٹا گیا، نماز کی حا میں آپ او کی اوجھڑی رکھ دی گئی، آپ کے قتل کے منصو تیار کیے گئے۔ سال شعب ا طا میں آپ کو محصور ر گیا۔ جس میں ببول کے پتے کر اره کرنے کی نو آئی، طائف میں آپ کو سخت اذی پہنچائی گئی، لوگوں نے آپ کو گا ں د اور اتنا زدوکوب کیا کہ آپ کے نعلین مبارک خون سے لبریز ہوگئے۔ آپ کو مکہ سے ہجرت کرنے ر کیا گیا۔ آپ مدینہ تشریف لے گئے تو ں بھی سکون واطمینان سے رہنے دیا گیا۔ اور طرح طرح کی ر

جاری رکھی گئیں، یہود ں کے ساتھ مل کر رحمت عالم اور مسلمانوں کے خلاف منصو بند مہم چھیڑ دی گئی۔ فتح مکہ کے موقع کفار مکہ کو موت اپنے سامنے نظر آرہی تھی ان کو خطرہ تھا کہ آج ان کی ای ارسانیوں کا انتقام جائے گا، سرکار دو عالم نے ان کو طب کر کے فرما اے قریشیو تم کو کیا توقع ہے، اس وقت میں تمہارے ساتھ کیا کروں گا؟ ا ں نے جواب دیا ہم اچھی ہی امید رکھتے ہیں، آپ کر النفس اور شریف بھائی ہیں اور کر اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا

''میں تم سے وہی کہتا ہوں جو سفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا، آج تم کوئی الزام جاؤ تم آزاد ہو'' زادالمعاد

کیا انسانی ریخ اس وکرم کی کوئی مثال کر سکتی ہے؟

یہود ں کے ساتھ حسن سلوک

یہود ں کے مختلف قبائل مدینہ میں آ د تھے، نبی اکرم کے مدینہ ہجرت فرما جانے کے بعد، ابتداءً یہود جا دار اور خاموش رہے لیکن اس کے بعد وہ اسلام اور نبی رحمت اور مسلمانوں کے تئیں اپنی عداوت اور معا ا رویہ ز دہ دنوں چھپا سکے۔ انہوں نے سرکار دوعالم اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی خفیہ ساز کیں، بغاوت کے منصو بنائے، آپ کے نے میں زہر آپ کو شہید کرنے کی بیر سوچیں، اسلام اور مسلمانوں کو زک پہنچانے کا کوئی موقع تھ سے جانے دیا، اس کی ای وجہ یہود ں میں حسد، تنگ دلی، اور جمود و تعصب کا جا تھا۔ دوسرے ان کے عقا طلہ، اخلاق رذیلہ اور گندی سر تھی۔ لیکن قر ان جائیے رحمت عالم کہ آپ نے ان کے ساتھ اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کیا۔

مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد سرکار دوعالم نے یہود ں کے ساتھ ای اہم معاہدہ کیا کہ مسلمانوں اور یہود ں کے درمیان خوش گوار تعلقات قائم ہوں، اور دونوں ای دوسرے کے ساتھ رواداری کا ؤ کر اور ت میں ای دوسرے کی مدد کر ، معاہدہ کی چند دفعات یہ تھیں۔

- تمام یہود ں کو شہری کے وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اسلام سے پہلے انھیں حاصل تھے۔

- مسلمان تمام لوگوں سے دو ؤ رکھیں گے۔
- اَ کوئی مسلمان کسی یثرب والے کے تھ مارا جائے تو شرط منظوری ور، قاتل سے خوں بہا جائے گا۔
- شندگان مدینہ میں سے جو شخص کسی سنگین م کا تکب ہو اس کے اہل وعیال سے اس کی سزا کا کوئی تعلق ہوگا۔
- موقع آنے یہودی مسلمانوں کی مدد کر گے، اور مسلمان یہود ں کی۔
- حلیفوں میں سے کوئی فر اپنے حلیف کے ساتھ دروغ گوئی کرے گا۔
- مظلوموں اور رسیدہ شخص کی خواہ کسی قوم سے ہو مدد کی جائے گی۔
- یہود جو بیرونی دشمن حملہ آور ہوگا تو مسلمانوں ان کی امداد لازمی ہوگی۔
- یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔
- مسلمانوں میں سے جو شخص ظلم ی دتی کرے گا تو مسلمان اسے سزا د گے۔
- بنی عوف کے یہودی مسلمانوں میں ہی شمار ہوں گے۔
- یہود ں اور مسلمانوں میں جس وقت کوئی قضیہ آئیگا تو اسکا فیصلہ رسول اللہ کر گے۔
- یہ عہد کبھی کسی ظالم ی خاطی کی جا داری کریگا۔ سیرۃ ہشام ص

آپ نے حظہ فرم ی اس معاہدے میں کس ضی اور انصاف کے ساتھ یہود ں کو حقوق دیے گئے ہیں۔

سرکار دوعالم اس معاہدے کے مطا یہود ں کے ساتھ ؤ کرتے رہے لیکن یہود ں نے اس معاہدے کی س داری کی، مسلمانوں کے خلاف مشرکین مکہ کی مدد کی اور اسلام اور مسلمانوں کے ہمیشہ در آزار رہے۔

عیسائیوں کے ساتھ حسن سلوک

عیسائیوں کے ساتھ بھی سرورعالم نے مثالی رواداری تی۔ مکہ اور یمن کے درمیان واقع ''نجران'' کا ا موقر وفد آپ کی مس میں حاضر ہوا، آپ نے ان کو مسجد میں ٹھہر ی ا ں نے سرکار دوعالم کے ساتھ مذہبی معا ت میں گفتگو کی عیسائیوں کے ساتھ اس موقع ا ریخی معاہدہ ہوا، جس میں عیسائیوں کو مختلف حقوق دینے اتفاق کیا گیا

ہے۔ معاہدہ کی دفعات درج ذیل ہیں

ان کی جان محفوظ رہے گی۔ ان کی زمین جائداد اور مال وہ ان کے قبضے میں رہے گا۔ ان کے کسی مذہبی نظام میں تبدیلی نہ کی جائے گی۔ مذہبی عہدے دار اپنے اپنے عہدے پر برقرار رہیں گے۔ صلیبوں اور عورتوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔ ان کی کسی چیز پر قبضہ نہ کیا جائے گا۔ ان سے فوجی خدمت نہ لی جائے گی۔ اور پیداوار کا عشر نہ لیا جائے گا۔ ان کے ملک میں فوج نہ بھیجی جائے گی۔ ان کے معاملات اور مقدمات میں برابر انصاف کیا جائے گا۔ ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہونے دیا جائے گا۔ سود خواری کی اجازت نہ ہوگی۔ کوئی بے کردہ گناہ کسی مجرم کے بدلے میں نہ پکڑا جائے گا۔ اور کوئی ظالمانہ زحمت دی جائے گی۔ (بحوالہ رحمت عالم، بحوالہ فتوح البلدان بلاذری)

مذکورہ بالا جو حقوق اسلام نے دیگر اقوام اور رعایا کو عطا کیے ہیں ان سے زیادہ حقوق تو کوئی اپنی حکومت بھی نہ دے سکی۔

جو غیر مسلم اسلامی حکومت میں رہتے ہیں اس کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر یہ ہے کہ وہ اللہ ورسول کی پناہ میں ہیں اسی لیے ان کو ذمی کہا جاتا ہے اسلامی قانون یہ ہے کہ جو غیر مسلم ذمی مسلمانوں کی ذمہ داری میں ہیں ان پر کوئی ظلم ہو تو اس کی مدافعت مسلمانوں پر ایسی ہی لازم ہے جیسی خود مسلمانوں پر ظلم ہو تو اس کا دفع کرنا ضروری ہے۔ (المبسوط للسرخسی)

منافقین کے ساتھ حسن سلوک

مدینہ منورہ میں ایک طبقہ ان مفاد پرستوں کا بھی پیدا ہو گیا تھا جو زبان سے ایمان لے آئے تھے دل ایمان ویقین سے خالی تھے، یہ لوگ اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر کو دیکھ کر بظاہر مسلمانوں کے ساتھ ہو گئے تھے، مسلمانوں کے تئیں سخت کینہ، بغض اور حسد رکھتے تھے، ان کا سربراہ عبداللہ بن ابی بن سلول تھا، یہ مدینہ کا بااثر آدمی تھا اور سرکار دو عالم ﷺ کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے مدینہ کے لوگ اس کو حکمراں بنانے کی تیاری کر رہے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کی ہجرت کے بعد اس کی آرزو خاک میں مل گئی۔ اپنے کو مسلمان ظاہر کرنے کے باوجود دل سے کافر ہی رہا، منافقین نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی تمام کوششیں کیں، نبی رحمت ﷺ کی شان میں گستاخیاں کیں، کافروں اور یہودیوں سے مل کر اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے

منصوبے تیار کیے، ان شرارتوں اور عداوتوں کے باوجود سرکار دوعالم اور مسلمانوں نے ان کے ساتھ بھی حسن اخلاق اور رواداری ہی کا معاملہ فرمایا عبداللہ کی نماز جنازہ بھی سرکار دوعالم نے پڑھائی۔ ان کے لڑکے کی درخواست پر اپنا جبہ مبارکہ اس کے کفن کے لیے مرحمت فرمایا۔

اسلامی حکومت میں غیرمسلم رعایا ذمیوں کے حقوق

اسلام تمام افراد بشر اور حیات انسانی کے لیے رحمت ورافت کا پیغام لے کر آیا تھا، اس لیے اس نے غیرمسلم اقوام اور رعایا کے ساتھ مثالی لطف وکرم، مساوات وہمدردی، اور رواداری کا معاملہ کیا ہے اور ان کو انسانی تاریخ میں پہلی بار وہ سماجی اور قومی حقوق عطا کیے جو کسی مذہب یا تمدن والوں نے دوسرے مذہب وتمدن والوں کو کبھی نہیں دیئے۔ جو غیرمسلم اسلامی ریاست میں قیام پذیر ہوں اسلام نے ان کی جان، مال، عزت وآبرو اور مذہبی آزادی کے تحفظ کی ضمانت دی ہے۔ اور حکمرانوں کو پابند کیا ہے کہ ان کے ساتھ مسلمانوں کے مساوی سلوک کیا جائے۔ ان غیرمسلم رعایا ذمیوں کے بارے میں اسلامی تصور یہ ہے کہ وہ اللہ اور رسول کی پناہ میں ہیں۔ اس بنا پر اسلامی قانون ہے کہ جو غیرمسلم، مسلمانوں کی ذمہ داری میں ہیں ان پر کوئی ظلم ہو تو اس کی مدافعت مسلمانوں پر اسی طرح ہی لازم ہے جیسی خود مسلمانوں پر ظلم ہو تو اس کا دفع کرنا ضروری ہے۔ (مبسوط سرخسی)

اگر کوئی مسلمان ذمی پر ظلم کرتا ہے تو یہ مسلمان پر ظلم کرنے سے زیادہ سخت ہے۔ (درمختار مع ردالمختار)

جو حقوق مسلمانوں کو حاصل ہیں وہی حقوق ذمیوں کو بھی حاصل ہوں گے، اور جو واجبات مسلمانوں پر ہیں وہی واجبات ذمی پر بھی ہیں۔ ذمیوں کا خون مسلمانوں کے خون کی طرح محفوظ ہے اور ان کے مال ہمارے مال کی طرح محفوظ ہے۔ (درمختار کتاب الجہاد)

اسلام نے طے کیا ہے کہ جو شخص اس غیرمسلم کو قتل کرے گا جس سے معاہدہ ہو چکا ہے وہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا۔ جب کہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت تک پہنچتی ہے۔ (حدیث شریف)

ذمیوں کے اموال اور املاک کی حفاظت بھی اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔

سرکار دو عالم کا ارشاد گرامی ہے سنو جو کسی معاہد مسلم پر ظلم کرے، یا اس کے حقوق میں کمی کرے گا، یا طاقت سے زیادہ اس کو مکلّف کرے گا، یا اس کی کوئی چیز اس کی مرضی کے لے گا تو میں قیامت کے دن اس کی طرف سے دعوے دار بنوں گا۔ (مشکوٰۃ شریف، ص)

غیر مسلم رعایا کو اتنی آزادی حاصل تھی کہ ان کے ادارے آزاد ہوتے اور ان کے شخصی قوانین کے لیے عدالتیں بھی آزاد رہیں۔

ذمیوں کو جو حقوق اسلام میں عطا کیے گئے ہیں وہ معاہدۂ اہل نجران کے ضمن میں سے بیان کیے جا چکے ہیں۔

مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے والوں کے سلسلہ میں اسلامی ہدایات

مکہ میں مسلمانوں پر کفار مظالم کے پہاڑ توڑ رہے تھے، ان کا جینا دوبھر کر دیا تھا ہر طرح سے ان کو ان کیا جاتا تھا، مکہ سے ہجرت کرکے حبشہ اور پھر مدینہ منورہ چلے جانے کے بعد بھی سکون میسر آیا، اور کفار یہود اور منافقین کی مشترکہ سازشوں کا شکار رہے۔ مدینہ کو راج کرنے اور مسلمانوں کو ملیا میٹ کرنے کے ارادے سے ایک لشکر جرار نے مدینہ پر چڑھائی کردی اس انتہائی ری کی حالت میں اس کے سوا کوئی چارہ کار رہ گیا تھا کہ تلوار کا مقابلہ تلوار سے کیا جائے چناں چہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو لڑائی کی اجازت دی اور فرمایا: حکم ہوا ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں، اس واسطہ کہ ان پر ظلم ہوا۔ اور اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے وہ لوگ، جن کو نکالا گیا ان کے گھروں سے اور دعویٰ کچھ سوائے اس کے، کہ وہ کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے۔ (سورہ حج آیت)

جہاد کی اجازت ظلم و کے مقابلہ کے لیے دی گئی اور سر پیکار لوگوں کے سلسلہ میں نظیر رواداری اور حسن اخلاق کی تعلیم بھی دی گئی جو کسی بھی دوسرے مذہب میں ملتی چناں چہ اس سلسلہ میں ہدایات درج ذیل ہیں:

جنگ میں خود قدمی سے روکا (بقرہ) ظلم و زیادتی کی ممانعت کی (بقرہ)

جنگ کی اس وقت اجازت دی فتنہ وفساد فرو ہو جائے (حج)

دشمن کے قاصدوں کو امن دیا (ہدایہ) دشمن کی عورتوں، بچوں، معذوروں، کو مارنے سے منع کیا (تاریخ ابن خلدون) سر کھیتوں اور پھل دار درختوں کے کاٹنے کی

ممانعت فرمائی۔(تاریخ ابن خلدون) عبادت گاہوں کو ڈھانے اور تارک الدنیا عابدوں اور مذہبی رہنماؤں کو قتل کرنے سے روکا۔(ایضاً) اسیران جنگ کو اذیت پہنچانے کی ممانعت فرمائی۔ دشمن اپنے کو کم زور دیکھ کر صلح کی درخواست کرے تو اسے قبول کرنے کی ہدایت فرمائی۔ پناہ میں آنے والے غیرمسلم کو امن دینے اور عافیت سے رکھنے کی تاکید فرمائی۔(سورۂ توبہ) محض مال غنیمت کے لیے جہاد کرنے سے روکا۔(ابوداؤد) لوٹ کے مال کو حرام قرار دیا۔(تاریخ ابن خلدون) معاہدہ کرنے والے ذمیوں کی جان ومال کی پوری حفاظت کا مسلمانوں کو پابند فرمایا۔(رحمت عالم، بحوالہ فتوح البلدان)

وطن کی محبت اسلام میں

یہ حقیقت ہے کہ انسان کو دنیا میں جینے اور زندگی بسر کرنے کے لیے ہمیشہ ہی غذا کی ضرورت ہوتی ہے انسان کو یہ غذا زمین سے حاصل ہوتی ہے اور بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان مٹی سے پیدا ہوا ہے، سورۂ حج میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ دوسری آیت شریفہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے تم کو زمین میں ٹھہرایا اور تمہارے لیے زندگی کے سامان زمین سے پیدا کیے (سورۂ اعراف) دوسری آیت کریمہ میں ارشاد ربانی ہے کہ تم زمین میں ہی زندگی بسر کروگے اور زمین میں ہی مروگے اور زمین میں سے ہی نکالے جاؤگے (سورۂ اعراف) جس زمین سے آدمی کا خمیر اٹھا ہے جہاں وہ پیدا ہوا اور زندگی بسر کرتا ہے اس سے انسان کو فطری لگاؤ اور تعلق ہوتا ہے، اسی لیے عربی زبان کا مشہور مقولہ ہے کہ انسان کی پیدائشی سرزمین اس کی دودھ پلانے والی ماں ہے، مشہور حکیمانہ جملہ ہے کہ حب الوطن من الایمان: وطن کی محبت ایمان کا تقاضا ہے۔

سرور عالم ﷺ جب ہجرت فرما کر مکہ سے جانے لگے تو فرمایا کرتے تھے کہ اے مکہ تو کیا ہی اچھا شہر ہے تو مجھے کس قدر محبوب ہے، اے کاش تیرے باشندے مجھے نہ نکالتے تو میں تجھ کو نہ چھوڑتا۔(جمع الفوائد)

سرور عالم ﷺ نے مدینہ منورہ کو وطن بنایا تو دعا میں فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ ہمارے اندر مدینے کی اتنی محبت پیدا کردے جتنی تو نے مکہ کی محبت دی ہے، مدینے کی آب وہوا درست فرمادے اور ہمارے لیے مدینے کے صاع اور مد ناپنے کے پیمانے میں برکت عطا فرما

اور مدینہ کے بخار کو حجفہ مقام کی طرف منتقل فرمادے۔ بخاری شریف

اس حدیث شریف سے وطن عزیز کی محبت کا بھی بخوبی پتہ چلتا ہے اس کی اقتصادی ترقی اور آب وہوا کی درستگی اور صحت وعافیت کی بحالی کی شدید رغبت بھی ظاہر ہوئی ہے، اس لیے وطن مالوف کی محبت فطری تقاضا بھی ہے اور شرعی بھی۔

ہندوستان کی فضیلت

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ، سابق صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند رقم طراز ہیں:

''اسلامی کتابیں یہ بتاتی ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان ہی میں اتارے گئے اور یہیں ہی سکونت کی، اور یہیں ہی سے ان کی نسل دنیا میں پھیلی اور اسی وجہ سے انسانوں کو آدمی کہا جاتا ہے''۔ ہمارا ہندوستان اور اس کے فضائل، بحوالہ تفسیر ابن کثیر

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب علیہ الرحمہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں:

''ہندوستان نبوت کا دارالخلافہ ہے، یہاں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام تشریف لائے حضرت سیث علیہ السلام دوسرے رسول تھے جو اس سرزمین پر وارد ہوئے ان کی قبر شریف کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اجودھیا میں ہے''۔

دارالعلوم دیوبند کے بانی حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نوتویؒ نے اپنی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ رام چندر جی اور کرشن جی کے نام ادب سے لیے جائیں اور ان کے ساتھ گستاخی نہ کی جائے۔ قومی اتحاد ص

حضرت مولانا محمد میاں صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

انسانیت کا دارالخلافہ ہندوستان ہے۔ چوں کہ خلیفہ نبی تھا جس کے پاس حضرت جبرئیل تشریف لایا کرتے تھے لہٰذا سرزمین ہند سب سے پہلے آفتاب نبوت کا مشرق بنا۔ اسی سرزمین پر سب سے پہلے حضرت جبرئیل کا نزول ہوا۔ ابن سعد نے روایت میں نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کے جسم کا خمیر ''دجنی'' نامی علاقے کی خاک سے بنایا ہے۔ لہٰذا ہندوستان کو یہ شرف حاصل ہے کہ سب سے پہلے نبی کا خمیر یہیں کی خاک سے

بنا▯ گیا اور حضرت آدم تمام انسانوں کے ا▯الآ▯ء تھے اس لیے جملہ انبیاء اور تمام انسانوں کے روحانی اور مادّی اصل واصول کا خمیر ہندو▯ن ہی سے بنا▯ گیا، توالد وتناسل کے اصول▯ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جملہ انبیاء، او▯ء اور ▯ء کرام علماء ومشائخ کا اوّلین عنصر اسی خاک▯ک سے وجود▯▯ یا ہوا۔

حضرت ا▯ عباسؓ کی روا▯ ہے کہ عہدِ الست ہندو▯ن کے مقام وجنی میں ہی ▯ گیا۔ اللہ نے تمام انسانوں کی روحوں کو حضرت آدم کی ▯ سے ▯ آمد کر کے ان کو خطاب کیا اور فرما▯ کہ کیا میں تمہارا ▯وردگار ▯ ہوں؟ تمام روحوں نے ▯طور▯ اللہ کی ▯وردگاری کو تسلیم کرتے ہوئے کہا ضرور آپ ہی ہمارے ▯وردگار ہیں۔ ▯ ہمارا ہندو▯ن اور اس کے فضائل▯

وطن عز▯ ہندو▯ن میں مسلمانوں کے ملکی فرائض▯

محدث ▯ حضرت علا▯ انور شاہ کشمیریؒ سا▯ صدر المدرسین دارالعلوم د▯بند فرماتے ہیں▯

”ہندو▯ن▯ کسی دوسرے ▯مسلم اکثر▯ والے ملک میں ہر مسلمان اس▯ت کا ذ▯دار ہے کہ اسلام نے عام انسانوں کے لیے امن اور آزادی کے جو حقوق تسلیم کیے ہیں اپنے ا▯راور اپنی طاقت کی حد▯ ان حقوق کی حفاظت کرے ظاہر ہے اس مقصد کے تحت ہر مسلمان کو ملک کی ▯سی، معاشی اور شہری سرَ▯میوں میں بقدر طاقت حصہ ▯▯ے گا▯ کہ اپنے ▯تھ میں ▯سی اور معاشی قوت کے ذریعہ وہ ملک کے عام▯شندوں کی جان ومال اور روٹی کپڑے کے حقوق کی حفاظت کا اپنے وسائل کی حد▯ فرض انجام دے سکے۔ ا▯ مسلمان ا▯ محض تماشائی ▯کر ز▯گی ▯ا▯ چاہے اور ملک کی ▯سی سرَ▯میوں اور معاشی واقتصادی ▯و ▯ سے ▯رہ کش رہے تو وہ ▯ا کے عام بندوں کی ▯مس▯ کا فرض کیسے ادا کرسکتا ہے۔“

▯ ہندو▯ن میں مسلمانوں کے ملکی فرائض▯

ہمارے اکا▯ علماء کرام اور عام مسلمانوں نے ہمیشہ ملک میں محبت واتحاد، حسن معاشرت، فرقہ وارا▯ یگانگت اور قومی ▯ ▯ وروا داری کو فروغ دینے میں نما▯اں کردار ادا کیا ہے شیخ الاسلام حضرت مولا▯ سید حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں▯

”ہم▯شندگانِ ہندو▯ن بحیثیت ہندو▯نی ہونے کے، ا▯ اشتراک رکھتے ہیں،

جوکہ ا ف مذاہب اورا ف تہذیب کے ساتھ ہر حال میں قی رہتا ہے جس
طرح ہماری صورتوں کے ا فات ذاتوں اور صورتوں کے تبا ، رنگوں اور
قامتوں کے افتراقات سے ہماری مشترکہ انسا میں فرق آ اسی طرح
ہمارے مذہبی اور تہذیبی ا فات ہمارے وطنی اشتراک میں خلل ا از ہیں،
ہم وطنی حیثیت سے ہندو نی ہیں۔“

لہٰذا وطنی منافع کے حصول اور مضرتوں کے ازالے کا فکر اور اس کے لیے و مسلمانوں کا
بھی اسی طرح فر ہے جس طرح دوسری ملتوں اور مسلم قوموں کا اس کے لیے کومل کر
ری طرح کوشش کرنی از ضروری ہے، ا آگ لگنے کے وقت تمام گاؤں کے شندے آگ
بجھائیں تو تمام گاؤں د ہو جائے گا، اور سبھی کے لیے ز گی ل ہو جائے گی۔ اسی طرح
ا ملک کے شندوں کا فرض ہے خواہ ہندو ہوں مسلمان، سکھ ہوں رسی کہ ملک . کوئی
عام مصیبت جائے، تو مشترکہ قوت سے اس کے دور کرنے کی و کر اشتراک وطن کے
فرائض ں عا ہوتے ہیں، مذاہب کے ا ف سے اس میں کوئی رکاوٹ ہوتی،
ہر ا اپنے مذہب ری طرح قائم رہ کے ا فرائض کو انجام دے سکتا ہے، یہی اشتراک،
میونسپل رڈوں، کونسلوں، اسمبلیوں میں جا ہے، اور مختلف ا مذاہب ممبر فرائضِ شہر ضلع
صو ملک کو انجام دیتے ہیں اور اس کو ضروری سمجھتے ہیں۔ یہی معنی اس متحدہ قومیت کے
ہیں۔ ماخوذ از خطبات فدائے ملت ص ،

□ □ □

ہندوستان میں اشاعتِ اسلام سے متعلق اعتراضات کا جائزہ

از: ڈاکٹر مفتی محمد شمیم اختر قاسمی

ملک ہندوستان اور عرب دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے واقع ہے، ان کے درمیان میں سمندر حائل ہے، جس نے ایک دوسرے کو الگ کر رکھا ہے۔ ہندوستان میں عربوں کی آمد و رفت بہت قدیم زمانہ سے ہی جاری ہے۔ بعثت نبوی کے وقت اور اس کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ تاہم عہد نبوی میں نور نبوت کے جو اثرات یہاں پڑے اس کا تاریخی اور مستند ریکارڈ نہیں ملتا۔ خلفائے راشدین کے زمانہ میں جو ہندوستانی وفود بحری راستوں سے ہندوستان آئے اس کے اچھے اثرات ضرور مرتب ہوئے۔ مذہب اسلام کی اشاعت کے لیے بالخصوص ہندوستان میں جو کام ہوا اس کا علاقہ محدود رہا اور جنوبی ہند کے علاوہ شمالی ہند کی طرف مسلمان تاجروں اور مبلغوں کا آنا بھی مشتبہ ہے۔

ہندوستان میں اسلامی حملے شمالی حصے میں اموی عہد میں ہوئے۔ اسے اگر قرآنی پس منظر میں دیکھا جائے تو یہ حملے یہاں کے ہنود کے ظلم و زیادتی اور دشمنان اسلام سے شرانگیزیوں اور فساد کاریوں کے انسداد کے ضمن میں ہوئے۔ کیوں کہ سندھ کے راجا داہر کی سب سے پہلی اور بڑی غلطی یہ تھی کہ اس نے دشمنان اسلام یعنی علائی خاندان کے چند نوجوانوں کو اپنے ملک میں پناہ دے رکھی تھی جس کی وجہ سے وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نازیبا حرکتوں کا ارتکاب کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اس کا دوسرا جرم یہ تھا کہ راجہ کے ہی ملک میں مسلمان مسافروں کو لوٹ لیا گیا تھا۔ یہ لوگ مظلوم تھے اور قرآن نے ایسے ظالموں سے جنگ کرنے کا حکم دیا ہے۔

حجاج بن یوسف نے بڑی عقلمندی سے کام لے کر اپنے سفیر کو راجہ داہر کے پاس بھیجا اور مسلمانوں کی مدد کا خواستگار ہوا، لیکن وہ تعاون کے بجائے سخت سست جواب دیا اور کہا کہ تم خود ان

ؤں سے نمٹ لو۔ گویا کہ راجہ داہر کی نادانستہ غلطی تھی اور اس طرح اس نے مسلمانوں کو اپنے ملک میں حملہ کرنے کی دعوت دے دی۔

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مسلمانوں کو لوٹنے والے راجہ داہر کے ہی لوگ تھے، قرائن وشواہد سے یہی پتہ چلتا ہے۔ بہر حال حملہ کا آخری عمل محمد بن قاسم کے ذریعہ وقوع پذیر ہوا اور تھوڑی ہی مدت میں پورا سندھ اسلام کے زیر نگیں ہوگیا۔ محمد بن قاسم کے بعد یہاں اہم فتوحات تو نہ ہوسکیں، البتہ سندھ کا تعلق مرکزی خلافت سے وابستہ رہا اور جب خلیفہ عباسی کی سیاسی طاقت کمزور ہوگئی تو غزنی و بخارا میں ایک دوسری سلطنت قائم ہوئی جس کے حکمراں سبکتگین ہوئے۔

غزنی کی سرحد ہندوستان سے ملتی تھی۔ چنانچہ محمد بن قاسم کے دوسو سال کے بعد پنجاب کے راجہ جے پال نے چاہا غزنی کی مسلم سلطنت پر حملہ کرکے اسے اپنے ملک میں شامل کرلے چنانچہ اور دوسری طرف قرامطیوں کی سرپرستی کرنے لگے۔ ان لوگوں نے بھی اسلام اور اہل اسلام کو زدوکوب کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑ رکھی تھی۔ لہٰذا سبکتگین نے ان راجاؤں سے سخت جنگ کی اور اس کی طاقت کو کمزور و منتشر کرکے قرامطیوں کے خلاف سخت کارروائی کی۔

یہ بے جا مداخلت راجہ جے پال کی طرف سے دوبارہ مسلمانوں کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی ایک دعوت تھی۔ اگر حدیبیہ کو سامنے رکھا جائے اور راجہ داہر کی وعدہ خلافی وعہد شکنی پر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی نظر میں یہ لوگ مجرم تھے اور جن سے جنگ ضروری تھی۔ اس کے بعد محمود نے پے در پے حملے کرکے ہندوستان کے کچھ سرحدی علاقوں کو سلطنت اسلامیہ سے ضرور جوڑ دیا، مگر یہ الحاق مستقل نہ تھا بلکہ عارضی ہی رہا۔ محمود کے بعد اسی خاندان نے ڈیڑھ سو سال سے زائد عرصے تک غزنی کی سلطنت کو زینت بخشی مگر ہم ایسی وہ نمایاں کامیابی نہ مل سکی جو شہاب الدین غوری کے لیے تھی۔

شہاب الدین کا حملہ ہند بھی اسلامی نقطہ نظر سے اس لیے درست تھا کہ وہ مسلمان جو ملتان، پنجاب، لاہور، بھٹنڈا اور دوسرے علاقوں میں مقیم تھے اور جن کی نگرانی کے لیے غزنی کے ولاۃ مامور تھے، وقتاً فوقتاً ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر پرتھوی راج انہیں نقصان پہونچاتا تھا۔ اس کے علاوہ ان علاقوں میں قرامطیوں کی طاقت دن بدن بڑھتی ہی جارہی تھی، یہاں تک کہ یہ لوگ گجرات و کاٹھیاوار تک اپنے اثرات کو وسیع کرچکے تھے۔ ان کے عزائم ہندوؤں کے منصوبوں سے ملتے جلتے تھے، اس لیے ہندو بھی ان کی سرپرستی کرنے میں پیش پیش تھے۔ جب کہ

غوری بھی قرامطہ کے وجوداوراس کی حرکتوں سے سخت لاں تھا۔

دوسری طرف یہ سلطان غزنی فرماروا‌ؤں سے بھی بعض وجوہ کی بنا سخت عداوت رکھتا تھا۔ ٰذا شہاب الد کے لیےاس کے علاوہ کوئی چارہ ہی تھا کہ وہ اپنی فوج لے کر ہندو ن پ ھائی کرے اور مسلمانوں کو یہاں کے راجاؤں کے ظلم اورد کے د اں سے نجات دلائے۔قرآن نے ا اں کی اجازت دیتے ہوئے صاف اعلان کیا ہے

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر الحج

اجازت دی جاتی ہے ان لوگوں کو جن سے جنگ کی جارہی ہے کہ وہ بھی جنگ کر ،اس لیے کہ وہ مظلوم ہیں اور ی درکھیں کہ اللہ ان کی نصرت قادر ہے۔

ضین اسلام کا اعتراض ب در ہو

ہندو ن میں اسلام کی اشا کے سلسلے میں جو اعتراضات کیے جاتے ہیں لعموم وہ وہی ہیں جو ری د میں اسلام کے پھیلنے کے سلسلے میں کیے جاتے ہیں۔حضرت محمد سے لے کر بعد کے جتنے مسلمان فرماروا‌ؤں نے د کے جن جن علاقوں میں حکمرانی کی ان میں بیش کے سلسلے میں یہی الزام عا کیا جا ہے کہ ان حکمرانوں نے تلوار کے ذریعہ اسلام کو ی۔ا یہ اعتراضات ہندو نی افق ن ی دہ واضح نظر آتے ہیں۔ تعجب کی ت یہ ہے کہ ان اعتراضات کی ابتدااس وقت ہوئی. ب مسلمان حکمرانوں کی تلوار ز آلودہوگئی تھی۔مول االاعلیٰ مودودی نے اس پہلو بہت اچھے ا از میں روشنی ڈالی ہے

”دور ب میں رپ نے اپنی سی اغراض کے لیے اسلام جو بہتان اشے ہیں ان میں ب سے ا بہتان یہ ہے کہ اسلام ا خون خوار مذہب ہے اور اپنے پیروؤں کو خوں ر ی کی تعلیم دیتا ہے۔اس بہتان کی ا کچھ حقیقت ہوتی تو قدرتی طور اسے اس وقت ہ چاہیے تھا. ب کہ پیروان اسلام کی شمشیر خارا شگاف نے کرہ زمین میں ا کرر تھا اور فی الوقع د کو یہ شبہ ہوسکتا تھا، کہ شا ان کے یہ فاتحا اقدامات کسی خوں ر تعلیم کا نتیجہ ہوں۔ عجیب ت ہے کہ اس بہتان کی پیدائش آفتاب عروج اسلام کے غروب ہونے کے بہت عرصہ بعد عمل میں آئی اور اس کے خیالی پتلے میں اس وقت روح پھونکی گئی. ب کہ اسلام کی

تلوارتوز چکی تھی خوداس کے مو رپ کی تلوار گناہوں کے خون سے سرخ ہورہی تھی اوراس نے د کی ورقوموں کواس طرح نگلنا شروع کر تھا جیسے کوئی اژد چھوٹے چھوٹے جانوروں کوڈ اورنگلتا ہو۔ا د میں عقل ہوتی تو وہ سوال کرتی کہ . لوگ خودامن وامان کے سے ے دشمن ہوں جنھوں نے خودخون بہا بہا کرزمین کے چہرہ کور کر ہواور جوخودقوموں کے چین وآرام ڈاکے ڈال رہے ہوں ، ا کیا حق ہے کہ اسلام وہ الزام عا کر جس کی فرد م خودان لگنی چاہیے؟ کیاان تمام مؤرخا تحقیق و اور عالما بحث واکتشاف سے ان کا یہ منشا تو کہ د کی اس نفرت راضی کے سیلاب کا رخ اسلام کی طرف پھیرد جس کے خودان کی اپنی خوں ر ی کے خلاف امنڈکر آنے کا ہے۔‘‘

اسلام کے خلاف جس قدر و ے ہوئے، اسلام اتنا ہی ز دہ

عالمی افق پھر ہندو نی تناظر میں دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ اشا اسلام سے اس و ے کے وجوداسلام ہر ی سے پھیل ہے۔حالاں کہ اسلام کے علاوہ اور بھی بہت سے مذاہ ہیں جن کے ما والوں کی تعداد بہت ہے۔خود ہندو ن میں اسلام روک لگانے کے لیے ی ی تنظیمیں کام کررہی ہیں اوراس سے لوگ ی تعداد میں رے ہندو ن میں پھیلے ہوے ہیں۔ وجوداس کے ا اس میں کامیا مل رہی ہے۔ہندو مذہ کے ما والے ہوں ھ دھرم کے علم دار پھر جینی ہوں سکھ فرقوں کے لوگ۔ بحیثیت مذہ کے ان کی تعداد میں کمی ہورہی ہے اوراسلام کے ما والوں میں اضافہ ہو ہے۔اسلام خون خوار مذہ تو یہ عمل موقوف ہوجا۔بلکہ سچی ت یہ ہے کہ و ہ ہی اسلام کی اشا کی راہ ہموار کر ہے۔ا ہندومفکررا ائن کے اس خیال میں صداقت نظر آتی ہے:

’’د کے تمام مذاہ میں اسلام کی ا خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے خلاف جس قدر غلط و ہ ہوا کسی دوسرے دھرم کے خلاف ہوا۔ سے پہلے تو رسول اللہ کے قبیلہ قریش ہی نے اسلام کی لفت کی اور دوسرے کئی ذرائع

کے ساتھ غلط پروپیگنڈہ اور مظالم کا راستہ اپنایا۔ یہ بھی اسلام کی خصوصیت ہی ہے کہ اس کے خلاف جس قدر پروپیگنڈہ ہوا اتنا ہی پھیلتا اور ترقی کرتا گیا اور یہ بھی اسلام کے سچے اور الٰہی دین ہونے کا ایک ثبوت ہے۔ اسلام کے خلاف جس قدر پروپیگنڈے کیے گئے اور کیے جاتے ہیں، ان میں سب سے جارحانہ پروپیگنڈہ یہ ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ اگر ایسا ہے تو دنیا میں متعدد مذاہب کے ہوتے ہوئے اسلام ہی [illegible]اتی طور پر دنیا بھر میں کیسے پھیل گیا؟ اس سوال یا شبہ کا مختصر جواب تو یہ ہے کہ جس زمانے میں اسلام کے اس [illegible]یشن کی اشاعت ہوئی سابقہ دھرموں کے بدکردار پیروکاروں نے دھرم کو بھی بھرشٹ کر دیا تھا، اس لیے انسانی روح کی خاطر اللہ کی مرضی کے مطابق اسلام کامیاب ہوا اور دنیا بھر میں تاریخ اس کی گواہ ہے۔‘‘

ہندوستان میں اشاعت اسلام سے معترضین کے گروہ وادوار

ہندوستان میں اشاعت اسلام پر اعتراض کرنے والوں کو دو گروہ اور دو ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا گروہ انگریزوں کا ہے جنھوں نے ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کی اور ان کے زیر سایہ عیسائی مشنریوں نے تبلیغ عیسائیت کی منصوبہ بند کوششیں شروع کیں۔ اسلام ان کے مقاصد کی تکمیل کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ تھا، چنانچہ انھوں نے اسلام پر عیسائیت کی بالاتری دکھانے کے لیے اس کے مختلف پہلوؤں پر جارحانہ حملے کیے اور اسلام کو ایک خوں آشام، [illegible]ان اور فرسودہ مذہب ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ اسی زمانے میں انگریزوں کے زیر اثر بعض ہندوؤں نے بھی اسلام کے خلاف مناظرانہ محاذ آرائی کی۔ دوسرا گروہ ہندوؤں کا ہے۔ ان اعتراضات کا سلسلہ بالخصوص ہندوستان کی آزادی کے بعد سے شروع ہوا ہے۔ اگرچہ پہلے اس میں اتنی شدت نہیں تھی جتنی کہ بعد کے زمانے میں یا عہد حاضر میں پائی جاتی ہے۔ ایک خاص طبقہ جو ہندوتو کی علمبردار ہے، اس میں پیش پیش ہے۔ کیوں کہ وہ ملک میں ہندو مذہب اور ہندو تہذیب کا غلبہ چاہتی ہے۔ یہ لوگ باوجود اپنی تمام تر کوششوں کے نہ تو مسلمانوں کو حلقہ بگوش کر سکے ہیں اور نہ ہی اپنے مذہب اور اپنی تہذیب کو اسلامی تہذیب کے مقابلہ میں برتر ثابت کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اس لیے اب انھوں نے یہ منصوبہ بنایا ہے

کہ اسلام میں زیادہ خامیاں نکالی جائیں اور وہ پروپیگنڈے کے زور پر عوام کے سامنے اسے بھیانک شکل میں پیش کیا جائے۔ اس کے لیے اب انھوں نے ٹی وی چینلوں، ڈراموں، افسانوں، فلموں، قصوں، کہانیوں اور جھوٹی تاریخ نویسی کا سہارا لیا ہے اور وہ مختلف قسم کے بے بنیاد بلکہ خیالی مناظر کے ذریعہ … کر لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔

اعتراضات کے مصادر پر ایک نظر

ہندوستان میں اشاعت اسلام سے متعلق بالعموم جو اعتراضات کیے جاتے ہیں اس کا شاخسانہ اول وہ لٹریچر ہے جو انگریزوں نے ایک سوچی سمجھی پالیسی کے تحت تیار کیا، جس کا خاص مقصد یہ تھا کہ یہاں کی دو بڑی قومیں ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو عرصہ دراز سے پرامن ماحول میں رواداری کے طریقے سے زندگی بسر کرتے آرہے ہیں، کے درمیان منافرت کی آگ بھڑکا دی جائے تاکہ وہ ایک دوسرے سے نبرد آزما رہیں اور انھیں اتنی فرصت نہ ملے کہ ہماری جابرانہ اور غاصبانہ حکومت کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکیں۔ چنانچہ جب انھوں نے ہندوستان کی تاریخ رقم کی تو ایک طرف مسلمان بادشاہوں کو ظالم و جابر ٹھہراتے ہوئے لکھا کہ وہ ہندوؤں کے سخت دشمن تھے، دوسرے مذاہب کے ماننے والوں پر مظالم ڈھاتے اور ان کے مذہبی مقامات کو مسمار کرتے تھے، تو دوسری طرف یہ شوشہ بھی چھوڑ دیا کہ شیواجی مسلمانوں کے حق میں بڑے سخت واقع ہوئے تھے، کیوں وہ ہندو … تھے۔ اس قسم کے اعتراضات سب سے پہلے بمبئی کے گورنر الفنسٹن کے قلم سے صفحہ قرطاس پر آئے اور جو بہت جلد ملک کے کونے کونے میں پھیلا دیے گئے۔ یہاں تک کہ اسے شامل نصاب کر کے بچوں کو بھی پڑھایا جانے لگا۔

ہسٹری آف انڈیا اور آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا تاریخی اعتبار سے بڑی اہم کتابیں سمجھی اور پڑھی جاتی ہیں، یہ ڈاکٹر ونسنٹ اے اسمتھ کی سخت عرق ریزی کے ساتھ بڑی لاگت کے بعد زیور طبع سے آراستہ ہوئیں۔ ان کی جو انفرادیت اور اہمیت ہے وہ بھی اہل علم کے نزدیک مسلم ہے، اس کتاب کے مطالعہ سے جہاں بہت سے اہم گوشے واضح ہوتے ہیں وہیں زہریلے بیانات بھی پڑھنے کو ملتے ہیں۔ اکثر معمولی واقعات کو فرقہ وارانہ رنگ دے کر مسلم حکمرانوں کی خوبیوں پر پردہ ڈالا گیا ہے اور خامیوں کو مبالغہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اور اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ مسلمان سلاطین متعصب اور تنگ نظر تھے، ان کا مقصد ہندوؤں کو تباہ کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ

تھا، ہندو□ن میں اکثر مسلمانوں کے آ□ر وا□اد خوف□ لالچ سے مذہ□ تبدیل کیا تھا، اور انگر□وں نے آکر ہندوؤں کو مسلمانوں کے پنجہ ظلم سے نجات دلائی۔

ا□ □ اور ڈاؤسن نے ہندو□ن کی جو□ریخ لکھی اس میں بھی فرقہ وارا□ روش ا□ □ر کی گئی ہے۔اس کے دیباچہ میں □صرف مسلمان □دشاہوں کو ظالم و جا□ ٹھہرانے کے لیے □ری علمی تو□ئی استعمال کی گئی ہے، بلکہ □ اسلام □ئی □ کو بھی مجروح کیا گیا ہے۔□□ا□ انہوں نے کیوں کیا اس کی وضا□ خود □ نے کتاب کے دیباچہ میں کر دی ہے جو □ کی □ی لغزش تھی۔جس کے □ □وفیسر خلیق احمد نظامی نے لکھا ہے□

> ’’ہمیں ا□ □ کا مشکور ہو□ چاہیے کہ اس نے اپنے مقاصد کا اظہار ا□ عرض دا□ □Memorandum□ میں انگلستان کی حکومت□ سے کرنے کا فیصلہ کیا، اس عرض دا□ کو بعد میں کتاب کا □ و بنا کر شائع کر د□ گیا، □ یہ سوچ کہ مستشر□ کے خلاف یہ □ سے □ی د□و□ ہے جو ان کے مفسدا□ مقاصد کے ثبوت میں □ کی جا سکتی ہے۔‘‘□□

علا□ سید سلیمان □وی نے بھی مؤرخ کی کتاب □ جو تنقیدی ریمارک کیا ہے وہ □ا ہی دلچسپ ہے اور جس سے ان کے عزائم کا □دہ فاش ہو□ ہے۔□□ اسی طرح □ حاضر کے ا□ مورخ نے مذکورہ کتاب کے □ جو رائے ظاہر کی ہے اس سے □ مذکور کی اسلام د□ تو ظاہر ہوتی ہی ہے، م□□ آں اس کتاب کی اہمیت□ لکل گھٹ جاتی ہے اور اس کی اسناد مکمل مشکوک ہو کر سامنے آجاتی ہے۔اس □ق میں ڈاکٹر ا□ □ق احمد ظلی لکھتے ہیں□

> ’’خود ہندو□ن میں □سوں پہلے سر ہنری ا□ □ اپنی مشہور کتاب ’’ہندو□ن کی □ریخ خود اپنے مورخین کی ز□نی‘‘ □تیب دے چکے تھے اور ان کے انتقال کے بعد ڈاؤسن کی کوششوں سے شائع بھی ہو چکی تھی۔اس کتاب کا بنیادی مقصد ی□ □ کر□ تھا کہ □صغیر میں مسلمانوں کی حکومت□ ا□ □ حد جا□ اور انتہائی ظالما□ حکومت□ تھی، جس کا عدل و انصاف سے کوئی واسطہ □ تھا اور جس کے ز□ سایہ بنیادی انسانی اقدار قطعی □ محفوظ تھیں۔سازش، شراب نوشی، عیاشی اور قتل و غارت □ی کا □زار □م تھا۔عیش و طرب کے لوازم مہیا کرنے کے لیے عوام کا □ دردا□ استحصال جس کا نشا□ خصوصاً □ مسلم عوام ہوتے تھے، اس حکومت□ کا نشا□ امتیاز تھا۔معاشی

استحصال، سماجی ی اور مذہبی رواداری کا فقدان اس عہد کی نمایاں
خصو ت تھیں۔ غرض اس کتاب کے ت سے مسلم دور حکومت کی ای ا
تصویر ابھرتی ہے جو کسی بھی طرح قابل فخر کہی جاسکی۔ اس مقصد کے حصول
کے لیے ی رت اور چا د سے اقتباسات کو ای خاص تیب سے اکٹھا
کیا گیا ہے اور ا اپنے مخصوص ق وسباق سے الگ کرکے کیا گیا ہے۔
اقتباسات کے انتخ ات میں یہ ت خاص طور سے ذہن میں رکھی گئی کہ صرف
ا حصوں کو منتخب کیا جائے جن سے مسلم حکمرانوں اور ان کے نظام حکومت کی
ی وہ اور گھناؤنی تصویر ابھر کر سامنے آئے۔'

اسی طرح ا۔ اے۔ نے مسلم دشاہوں کے جو زہریلا مواد قارئین کی نظر کیا ہے وہ بھی ادل اش ہے، ھ کر معلوم ہو ہے کہ مسلمان دشاہوں نے سوچی سمجھی لیسی کے تحت ای لائحہ عمل تیار کیا تھا اور جس بعد عمل ہو ر۔ جس میں اس نے لخصوص محمد قاسم اور اور زی سے سخت بہتان اشی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ محمد قاسم نے سندھ میں مندروں کے ا ام کا جو منصو بند وَ ام شروع کیا تھا، عہد عالم گیری جاری رہا۔

ی دلچسپ لکل جھوٹ ت تو یہ ہے کہ 'لارڈ الن ؤ' نے محار قابل کے بعد ء میں سلطان محمود غزنوی کے مقبرے سے ل کے ارا وا کر غزنی سے آ ہ اس کا جلوس اس اعلان کے ساتھ نکالا کہ سلطان یہ ار سومناتھ سے لے گیا تھا۔

یہ اور اس قسم کی دوسری غلط و بنیاد عوام کے سامنے کرکے عوام کے ذہن میں غلط کرنے کا جو سلسلہ جاری ہوا، ور زما کے ساتھ اس میں اضافہ ہی ہو گیا۔ حالاں کہ جس ار کی تشہیر کی گئی اس کے جلد ہی یہ حقیقت بھی ظاہر ہوگئی کہ یہ غلط ہیں اور اس کا تعلق سومناتھ سے ہے، بلکہ یہ مسلمانوں کے بنائے ہوئے ہیں۔

یہاں جو ت قابل غور ہے وہ یہ کہ ار کی تشہیر جلوس کے ذریعہ کی گئی جس کو نے دیکھا، حقیقت کا اظہار تحقیق کے ذریعہ ہوا، جس کا علم بہت کم لوگوں کو ہو سکا۔ اس واقعہ سے عوام کا ذہن کس حد اگندہ ہوا ہوگا اس تبصرہ کرنے کی قطعی ضرورت ۔

جانتے ہیں کہ عہد وسطیٰ کی ریخ لکھنے کی طرف ہندوؤں نے توجہ دی۔ سوائے کلہن کی راج نگی کے کوئی اہم ریخی کتاب ہندوؤں کے یہاں ئی جاتی اور وہ بھی کشمیر کے

حالات سے تعلق رکھتی ہے۔ تاریخ نویسی کا کام مسلمانوں نے ابتدا سے کیا ہے اور یہ فن ہندوستان میں سلاطین کے عہد میں عروج پر پہونچا۔ کم وبیش اکثر فرمارواؤں کے زمانے کی تاریخ کسی نہ کسی حد تک رقم ہوئی۔ جس کی زبان فارسی، عربی اور ترکی ہی تھی۔ انگریز شاہ جہاں کے زمانے سے ہندوستانی افق پر ابھرے۔ اس وقت تک اس کی حیثیت اس ملک میں یہ اتنی تھی کہ سلاطین اور امراء کو جب کبھی اس کی عیاری اور مکاری کا علم ہوتا تو اس کی گوش مالی اچھی طرح سے کر دیتے اور وہ ادھر سے ادھر منتشر ہو جاتے تھے۔ اس نے بتدریج ہندوستان میں قدم جمائے۔

یہ امر قابل غور ہے کہ اس مختصر اور افراتفری کے زمانے میں انگریزوں نے کیوں کر اور کس طرح عربی، فارسی اور ترکی زبانوں پر عبور حاصل کرلیا کہ وہ اپنی تاریخی کتابوں میں مسلمانوں کی تاریخ اور دوسری کتابوں کا حوالہ دے کر وفر سے پیش کرتے ہیں، اور پھر مسلمان مورخ اپنی تاریخی کتابوں میں اپنے بادشاہوں کے کئے کردہ مظالم کا ذکر کیوں کرتے جن کا حوالہ انگریز مورخوں نے دیا ہے۔ اہم بات تو یہ ہے کہ اس عہد میں جو تاریخی کتابیں تھیں ان میں سے اکثر کتابیں آج بھی پائی جاتی ہیں، جن میں ان بادشاہوں کے مظالم کا ذکر نہیں ہے، اور اگر کہیں کہیں اس طرح کی کچھ باتیں ملتی بھی جاتی ہیں تو اس کے سیاق وسباق سے واقعہ کو جوڑ کر نتیجہ نکالا جانا چاہیے۔

انگریز مورخوں کی دروغ بیانی تو اس بات سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ وہ اپنے حوالوں میں مقامی روایات اور بیٹر کا حوالہ کثرت سے دیتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہیں اتنا وقت میسر آ گیا کہ انہوں نے ہندوستان کے ہر علاقے کا سروے تیار کرکے اس کا مکمل ریکارڈ جمع کرلیا۔ یہ بات درست ہے کہ اول جن کتابوں کا ذکر ہوا ہے ان میں جو کتابیں رو صدی کے اختتام تک آزادی سے قبل زیر طبع سے آراستہ ہو چکی تھیں۔ اس وضاحت سے راقم کا مدعا یہ ہے کہ انگریزوں کی لکھی ہوئی کتابیں تاریخی اسناد سے خالی ہیں اور مقامی روایات کی جو کثرت ہے وہ مکمل مشکوک ہے۔ اس لیے تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کو ان باتوں کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے اور مطالعہ کے وقت بالخصوص ان کی تاریخی اسناد کو ملحوظ رکھا جانا چاہیے۔

اس سلسلے کی آخری بات یہ ہے کہ انگریزوں کو ان زبانوں پر عبور حاصل تھا تو پھر انہوں نے ترجمہ اور تراجم کے جو ادارے قائم کیے اس میں مسلمان عالموں کی مدد حاصل کیوں کرتے، اگر ان کے معاش کی انہیں فکر تھی تو دوسرے اہم شعبوں میں مسلمانوں کی جو قلت ہوگئی تھی اس کا کیا جواز ہوسکتا ہے؟ دراصل ہندوستان کی تاریخ اور تذکروں کے تراجم وغیرہ انہوں نے

جو محنت کی اس سے اسلام کی محبت کے بجائے عناد کا پہلو ظاہر ہوتا ہے۔ کیوں کہ انھوں نے اپنے مقاصد کی کامیابی کے لیے واقعات کو اس انداز میں توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے کہ اصل واقعہ پلٹ کر رہ گیا اور فرقہ واریت کی بو اس سے ظاہر ہونے لگی ہے۔ چنانچہ مستشرقین کے عزائم کا پردہ فاش کرتے ہوئے نومسلم مفکر علامہ اسد لکھتے ہیں:

''یورپین کا رویہ اسلام کے بارے میں اور صرف اسلام ہی کے بارے میں دوسرے مذاہب اور تمدنوں سے بے تعلقی کی ناپسندیدگی ہی نہیں بلکہ گہری اور تقریباً بالکل نفرت ہے۔ یہ محض ذہنی نہیں ہے بلکہ اس میں شدید جذباتی رنگ بھی ہے۔ یورپ بدھ مت اور ہندو فلسفوں کی تعلیمات کو قبول کر سکتا ہے اور ان مذہبوں کے متعلق ہمیشہ متوازن اور مفکرانہ رویہ اختیار کر سکتا ہے۔ لیکن جیسے ہی اسلام کے سامنے آتا ہے، اس کے توازن میں خلل آ جاتا ہے اور جذباتی تعصب آ جاتا ہے۔ بڑے سے بڑے یورپین مستشرقین بھی اسلام کے بارے میں لکھتے ہوئے غیر معقول جانب داری کے مرتکب ہو گئے ہیں... اس طریقہ عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ یورپ کے مستشرقین کے ادب میں ہمیں اسلام اور اسلامی معاملات کی بالکل مسخ شدہ تصویر ملتی ہے۔ یہ چیز کسی ایک خاص ملک میں محدود نہیں بلکہ جرمنی، روس، فرانس، اٹلی، ہالینڈ، غرض ہر جگہ جہاں یورپین مستشرقین نے اسلام سے بحث کی ہے۔ انھیں جہاں کہیں بھی کوئی واقعی یا محض خیالی ایسی بات نظر آتی ہے جس پر اعتراض کیا جا سکے تو ان کے دل میں بدنیتی کی مسرت کی گدگدی ہونے لگتی ہے۔''⌷

ان کے علاوہ ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی کا یہ تبصرہ بھی اس تناظر میں بڑا ہی معنی خیز معلوم ہوتا ہے:

''سترہویں اور اٹھارہویں صدی عیسوی کو ذہنی و فکری بیداری کے دور سے جانا جاتا ہے، جس میں مستشرقین نے افسانوں، من گھڑت کہانیوں، الزام و خرافات اور ثانوی مصادر سے قطع نظر بنیادی اور اہم مصادر شریعت اسلامیہ اور معروف و مشہور علمی ذخائر کو اپنی توجہات کا مرکز بنایا۔ اسی طرح معقولیت اور عدل و انصاف کے ساتھ ساتھ تعصب و جارحیت کے عناصر بھی علمائے استشراق کے فکر و عمل کے دائرہ کار میں آنے لگے۔ پھر بیسویں صدی کا ربع اول اس لحاظ سے منفرد ہے کہ مستشرقین نے کمیت اور کیفیت دونوں لحاظ سے اس دور میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیے

ہیں ۔یہی وہ زما ہے جس میں فرانس لینڈ، ا یلیا، انگلینڈ، ، سو رلینڈ،
روس، فن لینڈ اور ا یکہ کے مستشر سر م عمل نظر آتے ہیں۔''

آج ہمارے ملک کے بہت سے اہل علم اپنی تحقیق کی وضا اسلامی شریعت کے حوالے سے 'انسائیکلو پیڈ آف اسلام' کی روشنی میں کرتے ہیں، اسلامی فقہ کے نکتے میکڈرا کی کتاب کے ذر سے بتائے جاتے ہیں، اسلامی ئل کا حل ر ر ہیو کی 'ڈکشنری آف اسلام سے کیا جا ہے۔ مسلمانوں کی حکوم دشاہی اور ما ت کے نظریے آ لڈ اور اگلائی کی سے دیکھے جاتے ہیں ۔ ان کتا ں میں یقیناً بہت سی کار آمد دیکھنے اور کو مل جائیں گی ، قا اعتبار وہی ہوں گی جس کی ئید و توضیح کسی دوسرے اہم ما سے ہو جائے۔ چنانچہ علا سید سلیمان وی نے ای طرف انگر وں کی علمی مات کو سر ہے تو دوسری طرف ان کی اسلامی مات کے منشا کو مشکوک ٹھہراتے ہوئے یہ بھی رقم کیا ہے

''رپین مستشر نے اسلامی علوم و ان کی جو مس کی ہے، اس کا اعتراف ہے۔ مذہبی، شرعی اور فقہی معا ت میں ان کی تحقیق یا رائے کسی حال میں بھی اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے مسلمان فرمارواؤں کے کسی رویہ لیسی کو ان کے مذہ کی روشنی میں ا دیکھنے کی کوشش بھی کی جائے تو مذہبی معا ت کا ما اور سر خود مسلمان علماء وفقہا کی اور یجنل، مستند و معتبر کتابیں ہونی چاہیں، لیکن ن ان کی وا کی وجہ سے ان کتا ں کا ممکن ہو تو پھر ا موضوع اور مسئلہ قلم اٹھانے کا حو کیا جائے۔ س خواہ کتنی ہی اچھی اور صاف ہو مذہبی ئل کی غلط تعبیر اور کلی امور میں ان کی غلط تطبیق سے بعض اوقات ا ضرر رساں پہلو پیدا ہو جاتے ہیں جن سے ای طرف تو حقیقت کا خون ہو ہے اور دوسری طرف قوموں کے ت میں تلخی پیدا ہوتی ہے۔''

اسی طرح کی ای دوسرے مبصر کی تحر میں بھی تلاش کی جاسکتی ہے

''بلاشبہ ے علمائے استشراق اپنی تحر وں میں علمی د داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لیکن ا میں ا علماء بھی خاصی تعداد میں ہیں جنہوں نے تعصب اور تنگ نظری کا سہارا لیتے ہوئے دروغ گوئی اور علمی خیا کا ارتکاب کیا ہے اور اس طرح اسلام کی تصو بگاڑنے کی کوشش کی ہے۔''

جی زیان نے تمدن اسلامی بیش بہا اور اہی قیمتی لٹریچر مسلمانوں کی حمایت اور بظاہر اسلامی علوم سے متاثر ہوکر تیار کردیا ہے، جو چار جلدوں مشتمل ہیں۔ اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اگر کوئی مسلم مفکر اسلامیات تحقیقی کا کام کرتا ہے تو اس کتاب سے خوشہ چینی کیے رہتا۔ لیکن اس کتاب نے اسلامی علوم وافکار جو کاری ضرب لگائی ہے اس کا اندازہ مولانا کے اس بیان سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

> جی زیان ایک عیسائی نے یہ کتاب چار حصوں میں لکھی ہے، جس میں مسلمانوں کی تہذیب وتمدن کی تاریخ لکھی ہے، اس کتاب میں نے دردہ مسلمانوں ے اور متعصّبانہ حملے کیے ہیں، لیکن بظاہر مسلمانوں کی مدح سرائی کی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کی نظر ان کی فریب کاریاں ی اور کتاب گھر گھر پھیل گئی۔“

پروفیسر آرنلڈ کی کتاب پریچنگ آف اسلام کو صرف ہندوستان بلکہ دنیا بھر میں غیر معمولی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی، جس میں ہندوستان کے حوالے سے بحث میں اسلام کی اشاعت کا سارا سہرا صوفیائے کرام کے سر ڈال دیا گیا ہے اور کم از کم اس اعتراض سے ہندی مسلمانوں کو نجات ملی جو دوسرے انگریز مؤرخوں نے کی ہے کہ اسلام کی جبری اشاعت ہوئی ہے اور سلاطین وقت نے تلوار کے ذریعہ لوگوں کو اسلام قبول کرنے ر کیا۔ اس کتاب کی زمانہ بھی نظر رکھی جائے۔ ایک طرف الزام واتہام کا لامتناہی سلسلہ جاری ہے تو دوسری طرف مسلمانوں کے جہاد کو سرد کرنے کے لیے اس نی پھیرا جاتا ہے اور اس سے انکار کیا جاتا ہے کہ اسلام کی اشاعت تلوار سے ہوئی اور پھر مزے کی بات یہ ہے کہ مؤرخ مذکور کی کتاب سے حوالے بھی کیے جارہے ہیں۔ اس کتاب میں کہیں آپ کو یہ نظر آئے گا کہ آرنلڈ نے انگریز مؤرخوں کی تحریر تنقید کی ہو اور ان کی عصبیت کا دہ فاش کیا ہو۔ چنانچہ اس کتاب کی کے مقاصد کا یقین دلاتے ہوئے عہد حاضر کے ایک مبصر نے لکھا ہے کہ:

> ”یہ بات بعید از قیاس ہے کہ اسلام کے اس کے ایک پہلو کو کسی خاص سبب کے وکالت کرنے ۔ اصولی طور پر یہ ممکن کہ اصل کا لف فرع کی حمایت کا بیڑا اٹھالے، اس کے لیے کسی بہت خاص وجہ اور سبب کی موجودگی ضروری ہے۔ ظاہر ہے مقصد اسلام سے ہمدردی ہرگز تھی بلکہ نظرا مقاصد کا

حصول تھا جن کے لیے اول الذکر ذریعہ استعمال کیا گیا تھا۔ را لکل مختلف تھا لیکن نتائج وہی حاصل کرنے تھے۔ مقاصد کے گھناؤنے کوا ی چا د سے ہمدردی کے دبیز تہوں کے نیچے چھپا یا گیا تھا۔ مسلمانوں میں تصوف اور صو ئے کرام کی معمولی مقبولیت کے سہارے ان کی سوچ کے دھارے کو محسوس طور ا رخ دینے کی یہ ۔ شاطرا چال تھی۔“

یہ وہ زما تھا کہ طرح طرح سے اسلام اور مسلمانوں انگر وں کی طرف سے اعتراضات کی چھار کی جارہی تھیں اور اس طرح مسلمانوں کو اپنے د و مذ گا ان رہنے سے روکا جا تھا، جس کا شافی جواب دینا مسلمانوں کے لیے ضروری ہو گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس آواز کو نے کے لیے ہندو ان کے مختلف علماء نے مختلف اداروں اور محاذوں سے آواز اٹھائی۔ رسول ک کی سیرت کیچڑ اچھالا گیا تو سر سید نے اس کا مدلل اور مکمل جواب یا اور ان کے مفسدا خیالات کی قلعی کھولی۔ مول تو ری ز گی مستشر کے پیدا کیے ہوئے و پگنڈہ کا دہ فاش کرنے میں لگے رہے، جس کے وفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

”مول مدت العمر مستشر کی پیدا کی ہوئی گمراہیوں سے سر پیکار رہے، قرآن کے عد الصحہ ہونے کا دعویٰ لندن س میں کیا گیا تو مول نے اس زور تنقید کرتے ہوئے کہا کہ ”ہم بتاد گے کہ قرآن مجید ہزاروں دلائل سے انجیل سکتا۔“ اس ا جملہ میں اس ذ کاوش کا را منظر سمٹ آ ی ہے، جو مستشر کی ان کوششوں کا محرک تھا۔ دری و چلی نے تعدد ازدواج اعتراضات کیے تو مول کا قلم حر میں آ ی۔ جی ز ی ان کی کتاب ریخ تمدن اسلام کی دہ دری کا کام مول نے ہی انجام دی۔ آرمینا کے جھگڑوں میں مستشر نے یہ کرنے کی کوشش کی تھی کہ اسلام میں عیسائی رع ی کے ساتھ ماضی میں شد ی مظالم ہو چکے ہیں اور اسلام میں یہ ظلم جا بلکہ ضروری قرار دی گیا ہے۔ مول نے حقوق الزمین اور ا یہ لکھ کر ان الزام اشیوں کو ا کر دی۔ سیرت ا قلم اٹھا ی تو سے پہلے مستشر کے پیدا کیے ہوئے ا ات کا جا ہ۔ اسی مقصد کے نظر مول سید سلیمان وی نے ء میں الندوہ میں ا طویل سلسلہ مضامین شائع کیا جن میں مستشر

کے کام کا جا□ہ □ گیا ہے۔‘‘□□□□

مستشر□ کے اعتراضات اور □و□ے کا ا□ دوسرا محاذ یہ بھی تھا کہ عیسائی □دری □ پہونچ کر مسلمانوں کے خلاف تقری□ □ کرتے اور اپنے مذہب کی اشا□ کرتے، اور لوگوں کو د□ اسلام سے □گشتہ کر کے □□ بناتے تھے، جن کے خلاف علماء کی ا□□ی تعداد □ی ہوگئی اور اس کا د□ان شکن جواب د□ی۔ ان علماء کی □مات کو سراہتے ہوئے □وفیسر مذکور رقم طراز ہیں:

> ’’ہندو□ان میں مستشر□ کے پیدا کیے ہوئے ا□ات کے خلاف جن علما نے پیہم □و□ کی ان میں مولا□ محمد قاسم □نوتوی، مولا□ رحمت اللہ کیرانوی، مولا□ □، مولا□ محمد علی مو□ی، ڈاکٹر محمد اقبال اور سید امیر علی کے □م □ریخ میں ہمیشہ □د رہیں گے۔ ہندو□ان میں □شزی اور مستشرق کی سازش نے □زک صورت حال پیدا کر دی تھی۔ میور نے خود لکھا ہے کہ اس نے اپنی کتاب □دری □ر کی ضرو□یات کو □را کرنے کے لیے لکھی تھی۔ مولا□ کیرانوی اور مولا□ مو□ی نے □شز□اں اور مستشر□ کے اتحادِ عمل کا مقابلہ کیا اور □ی ہمت وا□ل سے بہت سے فتنوں کا سد□ب کیا، مولا□ کیرانوی کی کتابیں ازالۃ الا□م، ازالۃ ا□ک، احسن الحدی□، اظہار ا□ فرانسیسی، انگر□ی اور □ کی □نوں میں □جمہ ہو چکی ہیں۔ مولا□ مو□ی کی کتا□اں میں پیغام محمدی، ساطع البر□ان، □□ان قاطعہ و□ہ نے □شز□اں کی سازش کو□ کام بن□ی۔‘‘□□□□

سر جادو□تھ سرکار کا جھوٹ

فرقہ □□ کی آگ بھڑکانے میں ہندو□نی مؤرخ سر جادو□تھ سرکار بھی انگر□ مؤرخوں کی صف میں □ا□ی کا درجہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے اور □زی□ب کے □م سے □ر جلدوں میں کتاب لکھ کر □م کم□ی۔ اچھا انہوں نے ا□ طرف اور □زی□ب کے حالات، افکار، ملکی نظم و نسق، علم اور علماء □وری اور کار□موں کو □ے دل کش ا□از میں بیان کیا ہے وہیں بعض جگہوں □ اسلام، مسلمان اور اور □زی□ب کے عادات و خصائل □ جارحا□ حملے بھی کیے ہیں۔ اس نے اپنی کتاب کی جلد سوم کا ا□□ر□ب ’’اسلامک اسٹیٹ □چ‘‘ کو اس بحث کے لیے وقف کر د□ی ہے کہ اسلام ا□ وحشیا□ مذہب ہے، جو اپنے متبعین کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ لوٹ مار اور خوں ر□ی کو مذہبی

فرض سمجھو، یہ دنیا کے امن کا دشمن ہے اور اس کی رو سے رواداری پاپ جانا ہے، حکومت مغلیہ مکمل قزاقی تھی، مسلمانوں کی حکومت میں غیر مسلم ابھر نہیں سکتے تھے، اور اورنگ زیب کی عدم رواداری کا ذمہ دار اسلام تھا، کیوں کہ وہ شجر اسلام کا ایک پھل تھا۔ جب درخت ہی کڑوا ہے تو پھل لامحالہ کڑوا ہوگا۔

جب کہ اس کتاب کی زہرافشانی کے بارے میں ڈاکٹر اوم پرکاش پرساد لکھتے ہیں:

"دوسری کتاب مشہور تاریخ داں جادو سرکار (سر جادو ناتھ سرکار) کی لکھی ہوئی ہندی اور انگریزی زبانوں میں موجود ہیں، وہ سر کا خطاب انگریزوں نے زیادہ تر ایسے ہی لوگوں کو دیا، جنہوں نے انگریزوں کے خیالات و بہبودی کا خیر مقدم دل کھول کر کیا۔ جادو ناتھ سرکار کی کتاب میں ہمیں بڑی دلچسپ باتیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ سرکار صاحب کوئی ایسا قدم اٹھانے سے بعض نہیں آتے ہیں، محض یہ ثابت کرنے کے لیے کہ اورنگ زیب مغلیہ عہد کا سب سے برا بادشاہ تھا۔ جب کہ ہمیں انہی کی کتاب میں اورنگ زیب سے متعلق ایسے ثبوت دیکھنے کو ملتی ہیں جن پر غور کرنے سے ہم آسانی سے اس نتیجہ پر پہونچ سکتے ہیں کہ وہ اتنا کٹر، ظالم اور متعصب نہیں تھا جتنا بتایا گیا ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے اگر ہم سرکار صاحب کی کتاب میں شائع اورنگ زیب کے فرمانوں کا مطالعہ کریں تو بات کافی حد تک سمجھ میں آسکتی ہے۔"

دیگر مؤرخین کا مثبت اور منفی نقطہ نظر

ان کے علاوہ ایشوری پرساد، سری رام شرما، آشروادی لال وغیرہ نے مغل بادشاہوں کی مذہبی پالیسی اور میڈیول انڈین کلچر کے نام سے عہد وسطیٰ کے بادشاہوں کی تاریخ لکھی، ان میں بھی کہیں کم اور کہیں زیادہ ان حکمرانوں کی سیاسی و مذہبی پالیسی کو تنقیدی انداز میں موضوع بحث بنایا گیا ہے اور اسی کے ضمن میں سارے اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کی گئی ہے یہ کہتے ہوئے کہ اسلام کو پھیلانے کے لیے جبر و تشدد کی پالیسی اپنانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اس کے برعکس ڈاکٹر ستیش چندر کی کتاب "مغل دربار کی گروہ بندیاں اور ان کی پالیسی"، محمد اطہر علی کی "اورنگ زیب کے عہد میں مغل امراء"، "تاریخ شاہ جہاں" ڈاکٹر بنارسی پرشاد سکسینہ کی

اور رومیلا تھا کی کتاب کافی حد حقائق مبنی معلوم ہوتی ہیں، جن میں سلاطین ہند کی ہندو نوازی اور دوسرے اہم گوشوں منصفا مواد جمع کرکے ان متعصب مؤرخوں کا بھا اپھوڑا گیا ہے۔

اس قسم کا زہریلا لٹریچر عوام کے سامنے آ تو بلاتفریق مذہب و ملت کچھ سیدھے سادے لوگ بھی ان سلاطین کو نفرت کی نگاہ سے دیکھے رہ سکے۔ان کے ا ر بھی غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔آج بھی ریخ کے بعض طا ں کے ذہنوں سے یہ غلط زائل ہو سکا ہے۔ان میں سے بھی کچھ طا علم تحقیق وتخریج کے میدان سے رتے ہیں تو ا اصل صورت حال کا ا ازہ ضرور ہو جا ہے، پھر بھی شک اور تعجب کا خاور بند ہو۔ان کتا ں میں لخصوص ا کی ریخ نے عوام کے ذہن میں ا پیدا کیا ہے کہ آج بھی اس کے خلاف کوئی ت کہی جاتی ہے تو وہ شک آمیز اور تعجب سے سنی جاتی ہے۔

ضین کے اعتراضات کی وری خود ان کی اور دوسرے ہندو مؤرخین کی ز نی

اس مختصر حقیقت پسندی کے علاوہ یہاں اور دوسرے منصفا بیا ت خود ضین اسلام اور دوسرے ہندوں مؤرخوں کی تحر کی روشنی میں تحر کیے جاتے ہیں جن سے ا ازہ لگا جا سکتا ہے کہ آ ان فرماں رواؤں کا رویہ اپنی رعا کے ساتھ ا ہی وقت میں متضاد کیوں کر ہو سکتا ہے۔ تو انہوں نے ہندو ان میں ظلم و کی روش ا رکی ہوگی۔ پھر انسانی ہمدردی اور رواداری کے اصولوں کو اپنا ہوگا۔لہٰذا ان بیا ت سے تو یہی معلوم ہو ہے کہ ان دشاہوں کے مؤرخوں نے تعصب سے کام لے کر ری ریخ کو مشکوک بنا ہے۔ چنانچہ جس اور زیب کو سرجادو تھ سرکار نے شجر اسلام کا ا وا پھل کہا ہے اس کی دوسری رائے اور زیب کے یہ بھی ہے:

> ”جسمانی ہمت اور کے علاوہ اس نے اوائل ز گی ہی سے دشاہت کی مشقتوں اور خطروں کو اپنا شیوہ بنا تھا اور اس عظیم الشان عہدہ کے لیے احترام ذات اور ضبط نفس سے اپنے کو تیار کر ۔ دشاہوں کے لڑکوں سے لکل مختلف اور زیب ا وسیع النظر اور سلیم الفطرت عالم تھا اور ز گی کی آ ی سانس ۔ کتا ں سے محبت کر ۔ا ہم قرآن شریف کے ان متعدد نسخوں کو نظرا از بھی کرد جن کو اس نے اپنے تھوں سے ا عا کی سر م ر ضت کے ساتھ

لکھا تو بھی ہم اس کو فراموش نہیں کر سکتے کہ وہ ایک مصروف حکمراں ہونے کے باوجود اپنی قلیل فرصت کو عربی کی فقہی اور مذہبی کتابوں کے مطالعہ میں شوق سے لگاتا اور جاننے اور پڑھنے اور مطالعات مثلاً احیاء العلوم اور دیوان صائب کو کتابوں کے ایک کامل عاشق کی ہوس سے ڈھونڈتا۔ اس کے کثرت رقعات، اس کی فارسی شاعری اور عربی ادب پر قدرت کی دلیل ہے، کیوں کہ وہ ہمیشہ اپنے خط کو مناسب اشعار واقتباسات سے مزین کرتا ہے۔ عربی اور فارسی کے علاوہ ترکی اور ہندی بھی آزادی کے ساتھ بول سکتا تھا۔ یہ اسی کی جودت طبع اور سرپرستی کا نتیجہ ہے کہ آج ہمارے پاس ہندوستان میں مسلمانوں کے قانون کا بہترین خلاصہ فتاویٰ عالم گیری ہے جو بجا طور پر اسی کے ساتھ منسوب ہے اور جس نے بعد کے عہد میں اسلامی نظام عدل کو واضح طور پر آسان کر دیا۔“

یہی مؤرخ محمد بن قاسم کی فتوحات اور ان کی سیاسی بصیرت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”شروع کے عرب فاتحوں، خصوصاً سندھ کے فاتحوں نے یہ عقلمندانہ اور مفید حکمت عملی اختیار کر رکھی تھی کہ وہ غیر مسلموں کی عبادت گاہوں اور مذہبی رسوم کو مطلق نہ چھیڑتے۔ جب وہ کسی شہر پر قبضہ کر لیتے تو وہاں کے غیر مسلم آبادی کو اسلام قبول کرنے کو کہتے، اگر وہ قبول کر لیتے تو ان کو وہی حقوق حاصل ہو جاتے جو فاتحوں کے ہوتے، ورنہ پھر ان کو جزیہ ادا کرنا پڑتا، جس کے بعد ان کو اپنے مذہب کے رسم ادا کرنے کی اجازت ہوتی۔“

سر جادو ناتھ مجموعی طور پر تمام مغل حکمرانوں کی پالیسی اور ان کے انتظام مملکت کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

”مغل ایمپائر کے سبھی صوبوں میں بالکل ایک ہی طرح انتظامی مشنری کے ذریعہ ٹھیک ایک ہی طرح کے ضابطوں اور سرکاری خطابوں کے ساتھ حکومت ہوتی تھی۔ فارسی واحد زبان تھی جو سرکاری ریکارڈس، فرمان، اسناد، زمینوں کے عطیات، حمل ونقل کے اجازت ناموں، مراسلات اور رسیدوں کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ صرف ٹکسال شہروں کے ناموں کے فرق کے ساتھ ایک ہی نام اور نوعیت کے اور سکے میں ایک ہی طرح کے اسکولوں کا حامل، ایک ہی طرح کا مالیاتی نظام سلطنت بھر

میں رائج تھا۔عہدہ داروں اورفوجیوں کو ا ای صو سے دوسرے صو میں تبدیل کیا جا تھا۔اس طرح ای صو کا شندہ اپنے کوکسی دوسرے صو میں تقریباً گھر ہی کی طرح مطمئن محسوس کر تھا۔تجاراور ح ی آسانی سے ای شہر سے دوسرے شہراورای صو سے دوسرے صو میں آتے جاتے رہتے تھےاور سبھی اس ملک کی شاہی سی وحدت کوخوب سمجھتے تھے۔‘‘

کیمبرج ہسٹری کے نے اپنی دوٹوک رائے اس ا از میں کی ہے:

’’مسلم مؤرخین نے کسی بغاوت کوفروکرنے یا کسی قلعہ،شہر یا گاؤں پر قبضہ کرنے میں ا جلانے اور رے ضلع کو ذکر دینے کا واقعہ اس ر یہ ا از میں کیا ہے کہ اگر ہمارے پاس ثبوت ہو کہ واقعہ اس طرح ہو ہی سکتا تو ہم مغا میں جاتے اوریقین کرنے لگتے کہ شمالی ہندو ان مسلمان کا ابتدائی غلبہ ای ا مقدس جہاد تھا جو کوختم کرنے اوراسلام کی تبلیغ کے لیےشروع کیا گیا تھا۔محموداوراس کے بعد سبھی حکمرانوں نے . بھی ا کر چا اپنے حق میں موزوں سمجھا۔ہندو جاگیرداروں اورزمین داری کی اطا کوقبول کر ، ا اپنا منصب داربنایا اوران کے موروثی علاقوں کوان کے قبضے میں رہنے دیا۔‘‘

الفنسٹن جس کی ریخ کا اس ب میں ذکر ہوا ہے کہ اس نے ’’پھوٹ ڈالواورحکومت کرو‘‘ کی پالیسی اپنائی تھی اور مسلمانوں کو ہندوؤں کا اور ہندوؤں کومسلمانوں کا حریف ٹھہراتھا اور پھر اپنے نظریات کو کتا شکل دے کراسکول کے نصاب میں شامل کردیا۔ وہ بھی دانستہ یا نا دانستہ مسلمان حکمرانوں کے انصاف ،مواخات اور رواداری کا اعتراف کرتے ہوئے نہ چوک سکے۔چنانچہ مؤرخ مذکورای مقام پر لکھتا ہے:

’’ان کی مسلمانوں حکومتوں میں ہندوؤں کے مندروں اور دھرم شالاؤں کی حفاظت کی جاتی تھی۔ ا ، گوردھن اور تھرا کے مندروں کوشاہی انے سے مدد کی جاتی تھی۔ تھرا ضلع کے گوردھن میں ہری د یکا مندر ہے جو ء میں بنا۔احمد شاہ کے ای دستخطی فرمان سے معلوم ہو کہ دشاہوں کی طرف سے مندر کے چ کے لیے روپیہ ملتا تھا۔‘‘

ڈاکٹر ا ری ساد سا وفیسر الہ آ د نیور محمود کی عسکری اور سی بصیرت کی

وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”تاریخ میں محمود کا مقام طے کرنا مشکل کام ہے، اپنے زمانے کے مسلمانوں کے سامنے وہ غازی اور دین کا حمایتی تھا، جس نے مشرکوں کے ملک سے شرک ختم کرنے کی کوشش کی اور آج کے ہندوؤں کی نگاہ میں وہ ایک وحشی اور ظالم حقیقی ہوا تھا، جس نے ان کی انتہائی مقدس عبادت گاہوں کو برباد اور وحشیانہ طور پر ان کے مذہبی احساسات کو مجروح کیا، لیکن ایک غیر جانبدار محقق جو اس زمانے کے خصوصی حالات کو دھیان میں رکھے گا تو لازمی طور پر دوسرا فیصلہ دے گا۔ محمود بلا شبہ اپنے ساتھیوں کا ایک عظیم رہنما تھا، وہ اپنی عقل سے کام کرنے والا معقول اور ایمان دار حکمراں، ایک بہادر اور لائق سپاہی، منصف مزاج، ادب کا سرپرست اور دنیا کے سب سے بڑے بادشاہوں میں شمار کیے جانے کے لائق تھا۔“ (۲۲)

ہندوؤں کے مذہبی مقامات کے لیے اوقاف سے متعلق سلاطین ہند کے فرامین:

سلاطین ہند نے غیر مسلموں کے ساتھ جو رواداری برتی اور ان کے مذہبی مقامات کے سلسلے میں جو مثبت رویہ اپنایا وہ کسی بھی طرح مشکوک نہیں ہے۔ اس کے علاوہ مسلم فرماں رواؤں نے اپنی سلطنت میں دیگر مذہب والوں کے عبادت خانوں کے لیے بڑی تعداد میں اراضی وقف کردیے، تاکہ اس کی آمدنی سے مذہبی مقامات کا نظم و نسق اچھی طرح انجام پاسکے۔ اور بعض بادشاہوں نے تو کچھ مندروں کے لیے گھی اور تیل بھی مہیا کرایا تاکہ شام ہوتے ہی ان جگہوں کو روشن کیا جائے۔ (۲۳)

ایسے فرامین کی تعداد بہت ہے جو ملک کے مختلف مقامات کے مندروں کے پروہت اور ان کے اہل خانہ ان کے پاس آج بھی پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے فرامین کو ڈاکٹر بی۔ این۔ پانڈے نے مختلف جگہوں سے حاصل کرکے اور بڑی چھان بین کے بعد اسے اپنی کتاب میں شائع کردیا ہے۔ (۲۴) اس سلسلے میں علامہ شبلی نعمانی کی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔ اسی طرح کتاب ”تاریخ ہند عہد وسطی میں“ بھی ان فرامین کو عہد بعہد بالترتیب جمع کیا گیا ہے جو مندروں سے متعلق ہیں۔ (۲۵) اس کے علاوہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی لائبریری کے مخطوطات اور خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ میں کئی فرامین موجود ہیں۔ ان فرامین کے مطالعہ سے متعصب مؤرخوں کا تعصب واضح ہوجاتا ہے اور ان کی اداران وطن کے لیے لمحہ فکریہ ہے جو مسلمان فرمارواؤں کو

م کرتے اور ا ظالم و جا کہنے میں ذرہ ا بھی عار محسوس کرتے۔

اسلام میں عبادت خانوں کے ا ام کی ممانعت

شروع میں لکھا جا چکا ہے کہ قرآن نے کسی قوم کے مذہبی مقامات وجہ حملہ کرنے کی سختی سے ممانعت کی ہے اور اللہ کے رسول نے اہل ایمان کو اس کام سے روکا ہے۔ صحا کرام اور بعد کے ، نے بھی ا اصولوں عمل کیا۔ محض تعصب کی بنا، سلموں کی عبادت گاہوں کو مسمار کرنے کا ثبوت ملتا۔ اس میں کوئی شک کہ کچھ عبادت گاہیں ئے اسلام کے حکم سے منہدم کی گئیں، ان کے پیچھے کسی کسی اہم عوامل کارفرما تھے۔ چنانچہ ہندو ن میں بھی اس قسم کے واقعات رونما ہوئے ہیں۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی قبا کہ سلاطین ہند گو کہ ری طرح سی معا ت میں شریعت عمل کرتے تھے ہم . دو قوموں کے درمیان تصادم وامتیاز کا سلہ آ تو اس سلسلے میں علماء وفقہا سے رائے طلب ضرور کرتے تھے، ں سے جو جو ت ملتے ان دشاہ عمل کرت بھی کرت ۔ ا سی معا ت میں علماء کی رائے سے حکومت کے کام میں خلل واقع ہ تو وہ اسے ڈال دیتے تھے، اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس ب میں سلاطین ہند نے شرعی اصول عمل کیا، کیوں کہ ا کرتے تو ملک میں خلفشاری ہوتی اور خو دشاہ کی داری ہوتی، اور وہ اتنے طویل عرصہ ہندو ن میں اس شا ار طریقے سے حکومت کرنے میں ہر کامیاب ہوتے۔

یہ بھی ا اطرفہ تماشہ ہے کہ آج ملک میں ادران وطن تعصب کی بنا جس مسجد اپنا قبضہ چاہتے ہیں اس کے منہدم کا منصو تیار کرتے ہیں تو ے زور وشور سے پہلے اس ت کی تشہیر کرتے ہیں کہ ں مقام جو مسجد ہے پہلے ں مندر تھا اور ں بھگوان کی مورتی تھی، دشاہوں نے اسے توڑ کر مسجد بنا اور دھیرے دھیرے یہ مسئلہ اتنا طول پکڑ ہے کہ فرقہ وارا فسادات رونما ہو جاتے ہیں۔ معاملہ عدا میں پہو ہے تو فیصلہ حقیقت کے عکس ہ ہے پھر اسے طول دے کر معاملہ کو ی جا ہے اور ں پہرے بٹھا دیے جاتے ہیں۔ اس طرح مسجد مسلمانوں کے تصرف سے نکل جاتی ہے۔ حالاں کہ فقہا نے کسی مقام سجد بنانے کے جو حدود وقیود متعین کیے ہیں اس کی یہاں بیان کر دینا دلچسپی سے خالی ۔ فقہائے اسلام نے صرا کی ہے کہ

''اگر کوئی شخص مسجد بنائے جس میں دوسرے کا حق ہو اور اس کی رضامندی حاصل نہ کی گئی ہو تو اس حق والے کو اختیار رہے گا کہ اس مسجد کو باطل قرار دے اور اپنا حق لے لے۔ اس کو اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک زمین میں کسی کو جوار کا حق شفعہ حاصل ہے تو اس میں مسجد نہیں بنائی جاسکتی۔ اسی طرح ایک شخص بیمار ہے اور اس کی خواہش ہے کہ وہ اپنا گھر مسجد میں تبدیل کردے اور اس نے مرتے وقت اس کی وصیت بھی کردی، لیکن اس کے جائز وارث وصیت کو تسلیم نہ کریں تو اس کی وصیت جائز نہ سمجھی جائے گی۔ اسی طرح بیع فاسد سے خریدی ہوئی زمین پر مسجد بنانے کی اجازت نہیں۔ ناجائز طریقے سے حاصل کی ہوئی زمین پر بھی مسجد بنانا درست نہیں ہے۔ ناجائز حصول کی جو بھی شکل ہو، مثلاً کسی کا گھر زبردستی کچھ لوگ حاصل کرکے وہاں مسجد یا جامع مسجد بنالیں تو اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز نہ ہوگا۔ اسی طرح کوئی راستہ اگر ہو کہ ایک مسجد کے بننے سے چلنے والوں کو نقصان پہنچے تو بلاشبہ اس مسجد بنانا درست نہیں۔ مسجد کی تعمیر کے لیے زمین کو حلال طریقے سے حاصل کیا جانا اس کی صحت کی شرط ہے اور اس حلال طریقہ کی وضاحت اس طرح کی جاتی ہے کہ اس زمین میں کسی بھی شخص کا کوئی حق نہ ہو۔''

انہدامِ منادر کی حقیقت

مسلمان حکمرانوں پر مندر شکنی کا الزام لگایا جاتا ہے اور اس سے متعلق واقعات کو بیان کرنے میں جس مبالغہ آرائی سے کام لیا جاتا ہے اور ایک طویل عرصہ سے خاص اسی مسئلہ کو اچھالنے کی جو مہم چھیڑی گئی ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہ گئی ہے۔ کچھ معاصر مؤرخین کے مبالغہ آمیز اور غیر محتاط بیانات کی وجہ سے جو غلط تاثرات ابھرتے ہیں ان سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن بعد کے دور میں برطانوی مؤرخین اور خود ہندوستانی مؤرخین واہل قلم کے ایک طبقہ نے اس زمانہ کے مزاج پر اور ان مؤرخین کے انداز تحریر کو دانستہ یا نادانستہ اس باب میں مسلم حکومتوں کے طرز عمل کی جو ترجمانی کی ہے یا اس سے متعلق واقعات کو جس طرح بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے وہ نہ صرف علمی بددیانتی اور تاریخ کو مسخ کرنے کی بدترین مثالیں ہیں بلکہ ملک میں سماجی تعلقات اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لیے بھی بہت خطرناک ثابت ہورہے ہیں۔ ان مؤرخین کے بیانات کو پڑھ کر کوئی نتیجہ

ا کرے تو غلط ہوگا کہ یہی اس زمانے کی حکومت کا نکاتی وام تھا۔ کہ ت یہ ہے کہ ان منادر کو منہدم کیا جاتا تو ملک میں حیائی اور وخلفشاری پھیلنے کا تھا۔ کیوں کہ اس عہد میں کئی مندر تھے جو حیائی کا اڈہ گئے تھے اور مفسد لوگ یہاں جمع ہوکر حکومت کے خلاف سازش کرتے تھے۔ کہ ڈاکٹر ا رتو کے اس اظہار میں صداقت نظر آتی ہے۔

”اسلامی اصولوں کے نقطہ نظر سے مسلم ذمی کو یہ رحاصل تھا کہ وہ مندر نو دمسلمانی علاقوں میں تعمیر کرتے۔ وزشاہ نے تغلق ر، صالح ر اور شہر دیکھے تھے، یہاں ہندوؤں نے مندر بنائے۔ یہ مندر وزشاہ کے حکم سے توڑے گئے۔ ان مندروں کے حات وزشاہی میں حالات ملتے ہیں، اس میں لکھا ہے کہ ہندو اور مسلمان تیوہاروں کے موقعہ جو ان مندروں کے سلسلے میں ہوا کرتے تھے، جاتے تھے اور عورتوں کا بھی کثرت سے ان جگہوں میں آنا جانا ہوتا تھا۔ داور عورت کے ملنے جلنے کی وجہ سے پبلک میں عام رسوائی کے چرچے ہوا کرتے تھے اور اخلاقی جاتی تھی۔ یہ مندر دراصل عقیدت اور مذہبیت کے گھر سکے بلکہ ان کا ں راج تھا۔ وزشاہ نے ایک طرف اسلامی قانون کے تحت اور دوسرے پبلک کی بھلائی کے نظر ان مندروں کو توڑا۔ وزشاہ نے عام طور سے بحیثیت سرکاری لیسی کے مندر توڑے۔“

اس طرح کے واقعات دوسرے عہد میں بھی ہوئے جس کے خلاف دشاہ کو سخت کاروائی کرنی ی۔ وفیسر خلیق احمد نظامی کا یہ کہنا بھی در ہے کہ جنگ کے دوران عبادت گاہوں کی دی ای عام ت تھی۔ لیکن کی صورت پیدا ہوجاتی تو ان عبادت گاہوں کی تخری سے تھ روک جاتا۔

سلطان سکندر لودھی بھی مذہبی معاملات میں سخت واقع ہوا ہے، اس نے تعصب سے کام ۔ اس نے کسی قدر مسلموں کے ساتھ سخت رویہ اپنایا تو اس کے عوامل بھی غور کرنا چاہیے۔ اس عہد میں ہندوؤں کی بعض تبلیغی عتیں سرگرم ہوگئی تھیں جن کا مقصد مسلمانوں کو بنانا تھا۔ دوسری طرف یہی دشاہ یہ بھی چاہتا تھا کہ دونوں قومیں ای دوسرے کے علوم کو سیکھیں کہ اس ای دوسرے کو قریب سے سمجھ سکیں۔ اس نے ا تعصب

سے کام ہوتا تو کروڑوں کو تباہ کردیتا، مولانا عبداللہ اجودھنی نے اس کام سے روکا تو وہ آگے کوئی اقدام نہ کرسکا۔

جن علاقوں کو مسلمانوں نے آباد کیا اور وہاں ہندو پہلے سے موجود ہوں اور بعد میں آکر بسے ہوں تو ان علاقوں میں مسلم سلطان وقت کی اجازت کے اپنے لیے کوئی عبادت خانہ تعمیر کرتے ہے تو بادشاہ کو اختیار رہے کہ وہ اسے چاہے تو رہنے دے یا منہدم کردے۔

حضرت مجدد الف ثانی نے جہاں گیر سے یہ وعدہ وعید کرایا تھا کہ وہ ہندوؤں کے زور کو توڑے اور اس کی تذلیل و تحقیر کرے، جس کی وجہ سے بادشاہ نے کچھ سخت اقدام کیا، اس سے مجدد کی مراد ہرگز یہ نہ تھی کہ عام حالات میں ایسا کیا جائے، بلکہ کفار کے زور کو توڑنے کے لیے ایسا کرنے کو کہا تھا، کیوں کہ کفار دن بدن زور ہورہے تھے۔ بعض وجوہ کے بنا پر جہاں گیر نے مندر کی تعمیر پر پابندی لگادی تھی، اس لیے شاہ جہاں نے اپنے زمانہ میں نو تعمیر شدہ مندروں کو مسمار کروادیا تھا۔ اور اورنگ زیب نے بھی کئی مندر گروائے۔ مسلمان حکمرانوں نے ہنگامی حالات میں مندروں کو مسمار کیا تو انھوں نے اپنی مسجدوں کو بھی نہ چھوڑا اور درگاہوں کو بھی تہس نہس کیا۔ اگر وہ تعصب کو راہ دیتے تو ملک میں ایک بھی مندر بچا نہ رہتا۔

محمد بن قاسم نے جس فراخ دلی سے مندروں کی تعمیر اور اسکی مرمت کی اجازت دی، اور عطیات بھی عطا کیے، وہ اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے اسلام کی اس اصول پر عمل کیا کہ کسی کے مذہبی مقامات کو محض نفرت اور عناد کی وجہ سے ہرگز ہرگز مسمار نہ کیا جائے۔ ایسے جو مقامات سازش اور گمراہی کے اڈے ہوں اسے بند کردیا جائے۔

جب دونوں قوموں کے ذریعہ انہدام معابد کے واقعات کا موازنہ کرتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلموں نے ہی جو ذمی کی حیثیت سے مسلمانوں کی عمل داری میں رہتے ہیں، مساجد کو مسمار کیا ہے۔ چنانچہ ایک انگریز مؤرخ کا تبصرہ بجا معلوم ہوتا ہے:

> "عرب فاتح جور و یہ ماتحت قوموں کے ساتھ رکھتے تھے ہندوستان میں آکر بالکل پلٹ گیا، ہندوؤں کے مندروں کو جیوں کا تیوں چھوڑ دیا گیا اور ان پر کوئی پابندی نہ لگائی گئی۔ ہندوستان کی لڑائی دھرم یدھ یا جہاد نہ رہ گئی کیوں کہ مذہب کا سوال ہی نہ اٹھایا گیا۔ سندھ میں اللہ کی عبادت کے ساتھ ساتھ بتوں کی بھی پوجا کی جاتی تھی اور اس طرح وجود اسلامی حکومت کے بھارت

ایک ملک بنا رہ گیا۔

جزیہ کی شرعی حیثیت اور اس کا نفاذ ہندوستانی تناظر میں

جب کسی علاقہ کو فتح کرکے مسلمان اس پر اقتدار حاصل کرلیں تو مفتوحین میں سے جو لوگ مسلمانوں کی حکومت تسلیم کرکے اس ملک میں رہنا چاہیں اور عہد کریں کہ وہ مملکت کے خلاف بغاوت اور سازش میں ملوث نہ ہوں گے تو اب حکومت کے لیے ضروری ہوجاتا ہے کہ ان مفتوحین کو ذمی کی حیثیت سے تسلیم کرکے اس کے جان ومال اور عزت وآبرو کی ٹھیک اسی طرح حفاظت کرے جس طرح وہ مسلمان رعایا کی حفاظت کے لیے ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ اب اگر کوئی بلاوجہ اس کو قتل کرتا ہے تو اس کے عوض اسے بھی قتل کیا جائے گا، اور اگر مقتول کے ورثاء اپنی مرضی سے قاتل کو معاف کردیں تو قاتل بری ہوجائے گا۔ ان لوگوں سے مسلمان حکمراں کچھ سالانہ ٹیکس جزیہ لینے کے مجاز ہوں گے۔ یہ ٹیکس ان لوگوں سے وصول کی جائے گی جو فوجی خدمت کے قابل ہوں، عورت، بچے، بوڑھے، معذور اور مذہبی پیشوا اور لونڈی اور غلام اس سے مستثنیٰ قرار دیے جائیں گے۔ جزیہ کی ادائیگی کے بعد اہل ذمہ سے نہ صرف فوجی خدمات ساقط ہوجائیں گے، بلکہ وہ اپنے مذہبی، سماجی اور عائلی معاملات میں بھی اسلامی قانون کے پابند نہ ہوں گے۔ البتہ وہ مسلم علاقوں میں کوئی نئی مذہبی عبادت گاہ تعمیر نہیں کرسکتے۔ پرانی عبادت گاہوں کی مرمت اور دیگر مذہبی مقامات کی دوبارہ تعمیر کرسکتے ہیں اور جہاں صرف غیرمسلم ہی رہتے ہوں تو پھر نئے منادر بھی اپنی مرضی سے قائم کرلیں تو مضائقہ نہیں۔ اسی طرح وہ مسلم علاقوں میں رہ کر مذہب سے متعلق کوئی ایسا کام نہیں کرسکتے جس سے مسلمانوں کی دل آزاری ہوتی ہو اور اس کے مذہبی معتقدات کو ٹھیس پہونچتی ہو۔ اگر وہ اپنی مرضی سے اپنے نزاعی معاملات کے لیے شرعی عدالت سے رجوع کریں تو فیصلہ شرع کے مطابق کیا جائیگا۔ کسی معاہدہ میں بھی شرعی نقطہ نظر سے کوئی ظلم وزیادتی نہیں کی جائے گی اور نہ مسلمان کسی اہم سبب کے معاہدہ کو توڑ سکتے ہیں۔ جب تک کہ فریق ثانی کی رضامندی حاصل نہ ہوجائے۔ معاہدہ خواہ اہل کتاب سے کیا جائے یا مشرکوں سے دونوں صورتوں میں مسلمانوں پر اس کی پابندی اور حفاظت یکساں لازمی ہے۔

ہندوستانی تناظر میں یہ مسئلہ سب سے پہلے محمد بن قاسم کے زمانہ میں آیا۔ جب وہ سندھ میں اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈال رہے تھے، کہ مفتوح قوم کے ساتھ کس طرح کا معاملہ

کیا جائے اور شریعت کا اس بارے میں کیا حکم ہے، کیوں کہ یہاں کے باشندے شبہ اہل کتاب تھے۔ ڈاکٹر … الاسلام ا… حی لکھتے ہیں:

”غیر مسلموں کے شرعی حیثیت کے بارے میں یہ مسئلہ سب سے پہلے محمد بن قاسم کے زمانہ میں پیش آیا۔ وہ اس وقت سندھ میں عربوں کی حکومت قائم کررہے تھے۔ تاریخ سندھ کے ایک مستند ماخذ چچ نامہ کے بیان کے مطابق محمد بن قاسم نے سندھ کے ان مفتوحین کو جن میں برہمن، بدھ دونوں شامل تھے کو ذمی کی حیثیت سے تسلیم کیا اور ان پر جزیہ عائد کیا، جنہوں نے اپنے قدیم مذہب پر قائم رہتے ہوئے مسلم حکومت کے زیر سایہ رہنے پر رضامندی ظاہر کی۔ اسی حیثیت سے ان کو مذہبی آزادی ملی اور قدیم منادر کی مرمت وآبادکاری کی اجازت دی گئی۔ گو چچ نامہ یا کسی اور ماخذ میں اس کی صراحت نہیں ملتی، لیکن قرین قیاس یہی ہے کہ محمد بن قاسم نے والی عراق اور علماء سے مشورہ ومشورہ کے بعد ہی ہندوؤں کے سلسلہ میں فیصلہ کیا ہوگا۔ کیوں کہ اس بات کے واضح ثبوت ہیں کہ ان کو قدیم معابد کی مرمت کی اجازت دینے اور بعض دوسرے مسائل میں محمد بن قاسم نے حجاج بن یوسف سے مشورہ اور علماء سے استفسار کیا تھا۔ یہاں یہ وضاحت دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ مشہور عرب مؤرخ بلاذری نے صاف طور پر یہ ذکر کیا ہے کہ سندھ کی فتح کی مہم کے دوران اور بعد کے زمانوں میں بھی حجاج بن یوسف سے محمد بن قاسم کی مراسلت برابر جاری رہی اور یہ صراحت بھی ہے کہ ہر تیسرے روز خطوط کی آمد ورفت ہوتی رہتی تھی۔“ (…)

سندھ کے غیر مسلموں کی جو شرعی حیثیت متعین کی گئی، اسی قانون پر بعد کے سلاطین نے بھی عمل کیا، اور ہندوؤں سے جزیہ وصول کیا جاتا رہا۔ اکبر کے زمانہ کے شروع میں تو اس پر عمل رہا، بعد میں اس نے ہندوؤں کو اس سے بری کردیا۔ عہد جہاں گیر اور شاہ جہاں میں بھی جزیہ معاف رہا۔ اورنگ زیب نے اپنی حکومت کے بائیس سال بعد اس قانون کو نافذ کردیا اور اپنے انتقال سے کچھ عرصہ قبل اسے موقوف کردیا۔ اسلام کے اصول جزیہ پر جو لوگ اعتراض کرتے ہیں، اس کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر اوم پرکاش پرساد لکھتے ہیں:

”ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت تقریباً سو سال تک رہی اور زیادہ تر زمانوں میں

جزیہ وصول کیا گیا، اس کے باوجود عہد قدیم سے چلے آئے مذہبی معتقدات اور مذہبی مقامات کی اپنی حیثیت برقرار رہی۔ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ جزیہ کی وجہ سے بڑے پیمانے پر مذہب کی تبدیلی کا عمل ہوا ہو۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو اسلام کے شیدائی اس کا بیان بڑھا چڑھا کر کرنے سے بعض نہ رہتے۔" [illegible]

غیر مسلموں سے سربراہ مملکت سالانہ جزیہ کی ایک قلیل مقدار ہی وصول کرتا تھا، اس کے برعکس مسلمانوں کو صدقہ، زکوۃ اور عشر ادا کرنا ہوتا تھا، جو جزیہ سے کہیں زیادہ ہو جاتا تھا۔ دراصل جزیہ ایک طرح کا مال تھا جس کے ادا کرنے کے بعد ذمی تمام بندشوں سے آزاد ہو جاتے تھے اور ساتھ ہی اس کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری سربراہ مملکت پر عائد ہو جاتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں پر اور کئی اہم ذمہ داریاں عائد ہوتی تھیں۔ ایک تو انہیں جنگ میں حصہ لینا ہوتا، تو دوسری طرف انہیں سرحد کی حفاظت کرنی ہوتی تھی۔ آج بھی حکومت عوام سے سالانہ ایک متعین رقم وصول کرتی ہے، ملک میں رہنے والی ہر قوم سے۔ تو اس کی کیا توضیح کی جائے گی۔ دراصل اس قسم کی رقم حکومت وصول نہ کرے تو پھر ملک کا نظم و نسق چلانا مشکل ہو جائے گا۔

جزیہ کی جو مقدار متعین کی گئی ہے اور جس کی تفصیل کتابوں میں ملتی ہے اسی کے مطابق محمد بن قاسم نے ہندو رعایا سے وصول کیا اور اسی اصول پر اورنگ زیب نے بھی عمل کیا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ یہ اسلام کی محدثات نہیں ہے۔ اسلام سے قبل بھی اس طرح کی رقم شاہان وقت اپنی رعایا سے وصول کرتے تھے۔ اگر جزیہ معمولی سا ٹیکس ادا کر کے لوگ تبدیلی مذہب کا شکار ہو جاتے ہیں تو وہ اس کے مذہب کی کمی ہے نہ کہ شاہان اسلام کا جبر۔ چنانچہ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

"اب ہم پوچھتے ہیں کہ ایک ہلکا ٹیکس جس کی تعداد اس قدر قلیل تھی، جس کے ادا کرنے سے فوجی کام کی خطرناک مہم سے نجات مل جاتی تھی، جس کی بنیاد نوشیرواں عادل نے ڈالی تھی۔ کیا ایسی ناگوار چیز ہوسکتی ہے جیسی کہ اہل یورپ نے خیال کی ہے۔ کیا دنیا میں ایک شخص نے بھی اس سے بچنے کے لیے اپنا مذہب چھوڑا ہوگا؟ کیا کسی نے اپنے مذہب کو اتنا ہلکے ٹیکس سے بھی کم قیمت سمجھا ہوگا؟ اگر کسی نے ایسا سمجھا تو ہم کو اس کے مذہب کے ضائع ہونے کا رنج بھی نہ کرنا چاہیے۔ جو لوگ جزیہ ادا کرتے تھے، ان کو اسلام نے جس قدر حقوق دیے، کون حکومت اس سے زیادہ دے سکتی ہے۔" [illegible]

نفاذ جزیہ کے سلسلہ میں جن سے زیادہ محمد بن قاسم، علاء الدین خلجی، سلطان فیروز شاہ تغلق اور اورنگ زیب عالم گیر کو موردالزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ کہ ان لوگوں نے زبردستی غیر مسلموں پر جزیہ کا قانون نافذ کیا۔ جس سے ہندوؤں کی مالی حالت کمزور ہوگئی اور مسلمان بحیثیت مال کے مستحکم ہوگئے۔ یہ بات ادراک وطن کی غلط فہمی ہے یا ہٹ دھرمی، کہ وہ جزیہ کی اصل غرض وغایت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ مولانا آزاد کی رائے نقل درج ذیل ہے

> "اورنگ زیب نے باتفاق علماء حنفیہ ہند ہندوؤں پر جزیہ کے احکام جاری کیے تھے مگر نادانی و بے خبری سے ہندوؤں نے سمجھا کہ یہ ان کی تذلیل و تحقیر ہے، حالاں کہ اگر اس وقت علماء محققین ہوتے اور وہ جزیہ کی غرض و غایت اور اہل ذمہ کے حقوق معتبر فی الشرع کو کھول کر بیان کرتے تو ہندوؤں کو معلوم ہوجاتا کہ ان کی تذلیل نہیں بلکہ وہ بہتر سے بہتر سلوک ہے جو دنیا میں کوئی حاکم قوم محکوم کے ساتھ کرسکتی ہے"۔

حالاں کہ مسلم حکمرانوں کے عہد میں غیر مسلموں کے درمیان یہ ٹیکس کبھی خلجان کا باعث نہیں رہا اور نہ ان لوگوں نے اسے اپنے لیے بار سمجھا، بلکہ انہوں نے اسے بخوشی قبول کیا، کیوں کہ وہ سمجھ رہے تھے کہ اس طرح کے تعاون کے بغیر حکومت کا کاروبار اچھی طرح سے چلایا نہیں جاسکتا۔ جیسا کہ سید صباح الدین عبدالرحمن کی مندرجہ ذیل تحریر سے بھی اس کی وضاحت ہوتی ہے

> "اس زمانہ کے تمام راجہ اس کو اور ٹیکسوں کی طرح ایک ٹیکس سمجھ کر ادا کردیا کرتے تھے، اور کسی حال میں وہ اپنے کو کمتر درجہ کا شہری تسلیم نہیں کرتے تھے۔ حالاں کہ اب یہی بتایا جاتا ہے کہ یہ ٹیکس غیر مسلموں کو سیاسی، اقتصادی، مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے پست بنا کر دبی ہوئی حالت میں رکھنے کے لیے عائد کیا جاتا تھا۔ جب ہاتھ میں تلوار موجود تھی تو پست کرنے کے لیے ٹیکس لگانے کی کیا ضرورت تھی اور اس مؤرخ کی کوئی وقعت نہ ہوگی جو یہ تسلیم نہ کرے کہ ملک گیری کے سلسلہ میں مسلمانوں کی تلوار تو خوب چمکی، لیکن ملک داری میں ان کی تلوار ہمیشہ نیام میں رہی۔ وہ میدان جنگ میں خواہ کیسی ہی خوں ریزی کرتے لیکن جنگ کے بعد معتدل روش اختیار کرلیتے۔ کیوں کہ ملک کی زراعت اور تجارت ہندوؤں کے ہاتھوں میں تھی۔ اونچے عہدے دار تو مسلمان ضرور تھے، لیکن دوسرے تمام عہدے

ہندوؤں کے تھوں ہی میں ہوتے تھے۔ کیوں کہ ان کی مدد کے حکومت کا
ڈھانچہ ا ہوسکتا تھا، اورا ان کے ساتھ رواداراسلوک کیا جا تو تھوڑی
تعداداور قلیل فوج کی مدد سے ہر مسلمانوں کی حکومت قائم رہ سکتی تھی“
سلاطین ہند نے سلموں کی صرف طرح طرح سے حو افزائی کی، بلکہ بحیثیت ذمی
ہونے کے سلطنت کے اہم عہدے ان کے دکر دیے تھے۔ واقف ہندو کہتے ہیں کہ یہ ضی
صرف اکبر کے ساتھ مخصوص تھی۔ لکل غلط ہے۔ جہاں گیر، شاہ جہاں یہاں کہ اور زیب
کے عہد میں بھی ہندو ے اہم عہدے فا تھے۔ ہزاری، ہزاری، چار ہزاری جیسے
عہدے ان کو ملے ہوئے تھے، جو فوجی عہدہ تھا۔ یعنی ہر منصب کے تعداد کے اعتبار سے فوج ان
کے ز نگرانی حر کرتی تھی۔
عہد وز شاہی میں بھی ہندو بہت معزز ہوگئے تھے، خود وز شاہ تغلق اپنی حکومت کو ہر قسم
کے ضعف سے محفوظ رکھنے کے لیے ہندوؤں کو قری کیا اور بعضے وقت وہ ہندو جو اں اور بیرا اں
کو اپنے س بٹھا اور ان سے علمی مذاکرہ کر تھا۔ خسرو خان حرام اور خسرو خانی ہندوؤں نے
ا را راسلام د کا جو مظاہرہ کیا اس بھی سلاطین نے کوئی سخت نوٹس ۔ حد سے ز دہ ھی
ہندونوازی کا ذکر انگر مؤرخوں نے بھی کیا ہے۔ وفیسر گارڈ اؤن نے لکھا ہے
”ہندو رعا کے ساتھ وَ سوان سختی و سخت گیری کیسی؟ اس نے تو اکبر سے پہلے
ہی ای طرف کے رسم کو مسدود کر۔ دوسری طرف ہندو راجاؤں کو اعلیٰ جنگی
مناصب اور دیگر قابل ہندوؤں کو اعلی ملکی مات فا کر شروع کر تھا۔ اس
نے دو مند ہندوؤں کی دو وت میں مطلق د ازی کی۔ نی
کا زر فرضی سے ا اعتراض یہی ہے کہ اس سے ہندوؤں کی دو مندی
و تونگری میں قی ہوتی رہی، اس نے محمد تغلق نے قد و ہندو اں کو
خود مختاری کی حا میں چھوڑے ر۔ اس کے طرز عمل کی دانش مندی سے وہ
لوگ تو انکار کر ہی سکتے جو اکبر کے طرز حکومت کے مداح ہیں“
سلطان شہاب الد غوری، علاء الد خلجی اور جلال الد خلجی کے زمانے میں ہندوؤں
نے جو عروج حاصل کیا اس کی پچھلے ب میں رچکی ہے۔ لیکن یہاں شہاب الد
غوری کا یہ واقعہ دعوت حظہ دے ہے کہ وہ سلطنت کی ہوس میں توم کو زک پہونچا م

عظیم تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ب وہ املواڑہ کے معرکے میں کام ہوا تو اسی دوران اس سے کسی نے کہا کہ املواڑہ کا ں غز میں تجارت کرتا ہے اور اس کی دس لاکھ کی کا سامان تجارت غز میں پہونچا ہوا ہے، اسے ضبط کر کے ا شاہی میں بھر لیں کہ شاہی شان و شو میں اضافہ ہو۔ اس کے جواب میں سلطان نے جو جملہ لکھا اس سے ا ازہ کیا جا سکتا ہے کہ مسلمان سلاطین کس طرح قوم کے ساتھ ہمدردی اور رواداری کا سلوک کرتے تھے

”وسا ابہر کا یہ مال اگر وا ال واڑہ میں ہوتا اور ں اس قبضہ کیا جاتا تو ہمارے لیے ل ہوتا، لیکن غز میں اس مال قبضہ کرنا ہمارے لیے حرام ہے، کیوں کہ وہ میری پناہ میں ہے۔“

مسلم حکمرانوں کے اقتدار کے وری کے وجود اسلام زیدہ

ہندو ن میں مسلمانوں کی حکومت کے وجود مسلموں نے مسلمانوں مظالم زیدہ کیے اور مسلمانوں کی عزت وعصمت ڈاکہ ڈالا اور ان کے مذہبی شعائر کے ساتھ توہین آمیز معاملہ کیا۔ اگر ان توں مسلمانوں نے بعض ہندوؤں کے ساتھ سختی کا معاملہ کیا تو اس طوفان اکبر چہ معنی دارد۔ چوں کہ مسلموں کی حیثیت ہندو ن میں ذمی کی تھی، اور اگر کوئی ذمی اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ روا سلوک کرتا ہے تو اسلام اس وقت حکم دیتا ہے کہ ان کی سخت گوش مالی کی جائے۔ سلاطین ہند نے اپنے اسلامی اصول وقوا عمل کر کے ان کے ساتھ جا رواداری کا معاملہ کیا۔ ان کے ائم کو بعضے اوقات نظرا از کر دیا اور ا آزادی سے زگی بسر کرنے مانع وم ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔ اب اگر کوئی ض ہوتا ہے کہ اسلام جبر سے ، تو مسلمانوں کی حکومت ہندو ن سے ختم ہوتے ہی وہ سارے کے سارے ہندو جنھوں نے جبراً اسلام قبول کیا تھا اسلام سے پھر جاتے اور اپنے سا مذہب کو ا رکر لیتے۔ ریخ میں ا واقعات بہت کم ملیں گے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد بہت سے ہندو بیک وقت اسلام سے منحرف ہوگئے ہوں۔ دو چار واقعات اس قسم کے ضرور رونما ہوئے۔ اس سے اسلام کی وری جبر ہرگز ظاہر ہوتا۔ دراصل یہ وہ لوگ تھے جو ب جاہ اور مالی منفعت کے لیے اسلام قبول کرتے تھے اور اگر جبراً اسلام یا جاتا تو آ ہ، دہلی، اودھ، بہار، دکن و ہ میں مسلمانوں کی تعداد ہرگز کم ہوتی، کیوں کہ یہ علاقے اہ را سے

تعلق رکھتے تھے۔ آٹھ سو ں کا عرصہ رجانے کے وجود ں پندرہ فیصد سے ز دہ مسلمانوں کی تعداد ھی۔ اس کے خلاف جہاں مسلمانوں کا اقتدار ز دہ مضبوط تھا، ان علاقوں میں مسلمانوں کی تعداد میں حیرت ا طور اضافہ ہوا۔ سندھ، کشمیر اور بنگال و ہ کو مثال کے طور کیا جاسکتا ہے۔ بنگال میں اشا اسلام کے سلسلے میں آ لڈ نے ی اور اہم بحث کی ہے۔ یہاں ا دوسرے ہندو مؤرخ کا بیان قول فیصل کا درجہ رکھتا ہے

"ظن غا یہ ہے کہ ہندومت کی بند ں نے بنگال کی نیچ ذاتوں کو اس مذہب کے قبول کرنے آمادہ کرد یا تھا۔ آٹھو صدی عیسوی سے لے کر رہو صدی عیسوی تک بنگال ل خا ان کی حکومت تھی جو ھ کا پیرو تھا۔ اس کے زما میں نیچ ذاتوں کو ی آزادی حاصل تھی۔ ب سین خا ان کے لوگ جنوب کی طرف بنگال میں دا ہوئے تو وہ اپنے ساتھ ہندومت اور اس کی تمام معاشرتی بند یاں بھی لے آئے، جن سے نیچ ذاتوں کے ب ت کو ہمیشہ لگتی تھی اور ب رہو صدی میں اسلام آزادی اور وات کا ڈنکا بجا ہوا بنگال پہونچا تو عوام کی طبیعتیں خود بخود اس کی طرف مائل ہوگئیں۔ لوگ جوق در جوق مسلمان ہوتے چلے گئے۔ یہ ا اسب ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے سبب کی تلاش کی حا ۔"

منصب اور دو کے لیے تبدیلی مذہب کا عمل

اسلام قبول کرنے والے صرف نچلی سطح کے لوگ تھے بلکہ اعلیٰ اور اونچی ذات کے لوگوں نے بھی ھ ب ھ کر حلقہ اسلام میں دا ہوئے۔ ں کون سی وج ت کارفرما تھیں۔ یہ لوگ تو سماج کے ہر قیود سے آزاد تھے۔ دو تھی، عزت تھی، اور حاکم تھے۔ اس لیے ان کے ساتھ معاشرہ میں کسی ظلم و ن دتی کا کوئی سوال ہی ۔ دراصل ہندوؤں کا ہر طبقہ اپنے اپنے خطوط تفر ذات کے د مالائی بلا کا شکار تھا۔ اس کے علاوہ جنگ کے موقع لشکروں کی فتاری کے ساتھ روسا، جنگ اور ا ر بھی فتار ہوتے تھے، چنانچہ سزا سے بچنے کے لیے یہ لوگ اسلام کی طرف مائل ہوجاتے۔ ا دوسری وجہ یہ تھی کہ ب ہندو مغلوب ہوتے تو ان کی حیثیت ذمی کی ہوجاتی اور ا سال میں مخصوص رقم سلطنت کو دینی تی تھی۔ یہ لوگ دو سے اتنی محبت کرتے تھے

کہ وہ کچھ کرنے کو تیار ہوجاتے، مذہب کو بھی داؤ لگا دیتے۔ خوشی سے اپنی دو کا کچھ حصہ ہر کسی کو دینا گوارا کرتے تھے۔ چنانچہ اپنی دو کو بچانے کے لیے وہ اسلام قبول کرلیتے۔ پھر مسلمان ہونے کی صورت میں سلطنت کے اہم عہدے بھی حاصل کرلیتے تھے، جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پروفیسر آرنلڈ لکھتے ہیں:

''اکثر ہندو دنیوی منافع کے خیال سے مسلمان ہونا گوارہ کیا، ہزار راجپوت اسی طرح مسلمان ہوگئے، جن کی اولاد اب ملک کے دولت مند زمین داروں میں شمار ہوتی ہیں۔ ان میں بچگوٹی راجپوتوں کا مسلمان خاندان سب سے زیادہ معزز ہے جو ملک اودھ کے مسلمان تعلقہ دار کی فہرست میں اول درجہ رکھتا ہے۔ ایک روایت کے موافق اس خاندان کے وارث اعلیٰ تلوک چند کو بادشاہ قید کرکے لے گیا اور تلوک چند نے قید سے رہائی پانے کے لیے اسلام قبول کیا۔''

اس سے زیادہ وضاحت سے ڈاکٹر اوم پرکاش پرساد نے اونچی ذات کے لوگوں کے قبول اسلام کی وجہ بتائی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''اپریل ء میں سود خوری کے الزام میں چار ہندو قانون گویوں کو عہدہ سے معزول کیا گیا، سزا پانے کے ڈر سے ان لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔ چوکی گڑھ کا انچارج بننے کے لیے بھوپ سنگھ نے اپنے بھائی ہری داس کو اسلام قبول کرلینے کی صلاح دی۔ لیکن اس نے اپنے بھائی کے لالچ بھرے مشورہ کو تسلیم نہیں کیا اور ہندو ہی رہا۔ ء مین منوہر پور کے زمین دار دیبی چند نے اسلام قبول کیا تاکہ رفوجیوں کے بجائے ہزاری کا منصب حاصل کرے۔ چنانچہ جنوری ء کو اس نے اسلام قبول کیا۔ راجہ اسلام خاں نے ہندو مذہب ترک کرکے اسلام قبول کیا تاکہ اپنے بہن کی شادی اورنگ زیب کے بیٹے سے کرسکے، لیکن یہ شادی نہ ہوسکی۔ جاگیر حاصل کرنے کے لیے رام پور کے شاہی منصب دار راؤ گوپال سنگھ کے بیٹے رتن سنگھ نے اسلام قبول کیا۔''

معلوم یہ ہوا کہ ہندوؤں کے نزدیک اپنے دھرم کی کوئی حقیقت نہ تھی اس لیے وہ اپنی دولت کی حفاظت کے لیے اپنے دھرم کو بھی خیرباد کہہ دیتے تھے۔ حالاں کہ مسلمان فاتحین نے ان کو اپنے مذہب پر قائم رہنے اور ان پر عمل کرنے کی پوری آزادی دے رکھی تھی کہ وہ جو یہ

ادا کر کے من مانی ز□گی ا□ ر کر □ ۔ □ ہندو اپنے مذہب کو بچانے اور اس □ قائم رہنے کی خاطر اپنی دو □ کا معمولی حصہ ادا کرنے سے پیچھے رہے ۔ یہ ان کے مذہب کی □وری تھی □ اسلام کا قانون اس کے لیے □ا□ بنا۔ سچا مذہب وہی ہے جو اپنے ما□ والوں کے ایمان ویقین کو اس طرح مستحکم کر دے کہ وہ □ کچھ تو کر سکتے ہیں □ اپنے ایمان کا سودا ہر□ □ کر سکتے ۔ آج د□ میں □ی □ی □ ہو رہی ہیں اور لوگ اسلام کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں □ اسلام کے شیدائی اپنے مذہب کو ز□ہ رکھنے کے لیے دشمنان د□ کا کھل کر بلکہ آگے □ھ کر مقابلہ کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

ہندو□ن میں اشا□ اسلام کے اسباب وعوامل□

ہندو□ن میں اسلام کی آمد کے وقت یہاں کے دو قد□ مذہب ہندو مت اور □ھ مت کے درمیان کش مکش جاری تھی ۔ جس میں □ھ ازم کو د□رہ عروج حاصل ہو□ تھا ۔ ان مذاہب کے رہنما سماجی تفر□ کے □سور کا مداوا □ کرنے سے قاصر رہے ۔ اگر□ اس طرح کی □ا□م کوئی کوشش کی بھی تو اس میں ا□ کوئی کامیا□ □ل سکی ۔ اس کش مکش کا اور سماجی تفر□ کا عوام □لخصوص سماج کے پچھڑے طبقہ □ کافی ا□ □ا ۔ اسی درمیان اسلام اپنی صاف ستھری تعلیمات لے کر ان کے سامنے □اہوا ، تو عوام کو نظر آ□ کہ □ت قلب کے ساتھ ساتھ اسلام نے جو نظریہ حیات □ کیا ہے اس میں بلا تفر□ ر□ و نسل □ □ہیں اور ا□ اپنے ا□ر □ دینے کے لیے اسلام تیار ہے ، لہٰذا ان لوگوں نے ا□ نظر اپنے ماضی □ ڈالی اور الوداع کہتے ہوئے اپنے مذہب کو چھوڑ کر اسلام کی آغوش میں آتے چلے گئے اور مستقبل کو دینی و دنیوی اعتبار سے سنوارنے میں لگ گئے ۔ اب کوئی اونچی ذات کا ہندو کسی □□ سے چھو جانے اور غسل کیے □ کچھ □ □ لینے کے □م میں غری□ الوطنی ، قید اور غلامی کی صعوبتیں اٹھانے کے لیے □ر□ تھا۔ یہ کہنا □لکل غلط ہے کہ اسلام کی اشا□ میں صرف صو□ ، اور عرب تجار کا صرف حصہ ہے ۔ بلکہ اس کامیا□ کے پیچھے مندرجہ ذیل اسباب عوامل کارفرما تھے□

□ ۔　عرب تجار کی تبلیغی □ عی ۔

□ ۔　سلاطین کا □ در □ ہندو□ن □ حملہ کر□ اور مسلمانوں کا آ□ د ھ□ ان سلاطین کے ز□ا□ جنھوں نے نو وارد مسلمانوں کو اپنے سماج میں بلا فرق و امتیاز □ب کیا ۔

- علماء کی ر ، تقری اور تحری مات۔
- صوء کرام کی و ۔
- انسانی وات و بشر دو کا اسلامی عقیدہ۔
- ذات ت کی تفر سے نفرت و بیزاری۔

ان میں سے ہر عامل نے اپنے اپنے خطوط نمایں کردار ادا کیا۔ اگر ان میں سے کسی ای کو اشا اسلام کی بحث سے خارج کر دیا جائے تو کوئی اہم سوالات پیدا ہو جائیں گے۔ لہذا یہ ت یقینی طور کہی جاسکتی کہ اسلام کی اشا تلوار کے ذریعہ ممکن ہی تھی۔ بلکہ ان عوامل واسباب نے مل کر ہندو نی سماج کو متا کیا اور جس کے نتیجے میں اس کا دا ہ وسیع ہو گیا۔ چوں کہ مذکورہ اسباب ومحرکات کے امین وعامل مسلمان ہی تھے اس لیے ا ابتدائی مزاحمت کے بعد جلد ہی اپنے مشن میں کامیا ل گئی۔ قی آئندہ

ماخذ و مراجع

سیدا الاعلیٰ مودودی الجہاد فی الاسلام، ص ، مکتبہ معارف اعظم گڑھ

سہ روزہ دعوت دہلی، رجولائی ء، ص ، خصوصی شمارہ اسلام اور غلط فہمیاں، ان اسلامی احکامات اعتراضات اوران کی حقیقت، ان نگار ثناء اللہ

ڈاکٹر رضی الاسلام وی، حقائق اسلام بعض اعتراضات کا جائزہ، ص ، ی مکتبہ اسلامی دہلی ء

ایضاً، ص -

ا وی، مختصر ریخ ہند، معارف، اعظم گڑھ ء

The History of India as told by its own Historians. H.M. Eliot Ed. by John Dowsan (Introduction) pp. 22-23 Vol.1. kitab Mahal Allahabad

سید صباح الد عبدالرحمٰن، اسلام اور مستشر مجموعہ مقالات سیمنار، ص ، ج ، معارف، اعظم گڑھ ء

سید صباح الد عبدالرحمٰن، مقالات سلیمان، ص ، ج ، معارف اعظم گڑھ ء

سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، جولائی - ستمبر ء، ص - ، صغیر میں اسلام کی توسیع واشا میں صوئے کرام کا حصہ، ان نگار وفیسر ق احمد ظلی

جیمس فرگیسن، اسلامی فن تعمیر ہندو ان میں، ص ، جامعہ عثما ، حیدرآباد ء

مولا احمد، مسلم حکومتوں کی رواداری، ص ، ادار ج المعارف، دیوبند

ایضاً

ب تھ ے، اسلام اور ہندو نی ثقافت، ص - ، ابخش اورینٹل پبلک لا ی، پٹنہ، ء

محمد اسد، اسلام دوراہے پر، ص - ، آزاد کتاب گھر، دہلی، ء

سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ص -

امام ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ، قاہرہ ھ

شیخ محمد اکرام، رودِ کوثر، ص - ، ادبی دنیا مٹیا محل، دہلی، ء

ہندوستان میں قومی یکجہتی کی روایات، ص

علاء الدین ابو بکر الکاشانی، بدائع الصنائع، ص ج ، مطبعہ مصر ء

مفتی محمد ظفیر الدین، اسلام کا نظام امن، ص - ، ، مفتاح العلوم، مئو ء

قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، ص - ، ج ، ندوۃ المصنفین، دہلی،

ابو الکلام آزاد، ترجمان القرآن، ص - ، ج ، ساہتیہ اکیڈمی، دہلی

کتاب الخراج، ص

بدائع الصنائع، ص ، ج

کتاب الخراج، ص

بدائع الصنائع، ص ، ج

ابو الاعلیٰ مودودی، اسلامی حکومتوں میں غیر مسلموں کے حقوق، ص ، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، ء

محمد فرید وجدی، المدنیۃ والاسلام، ص ، مطبعہ علی گڑھ ھ

سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، جولائی - ستمبر ء، ص ، ہندوؤں کے ساتھ سلطان تغلق کا برتاؤ، مضمون نگار ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی

ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی، اسلامی قوانین کی ترویج و تنفیذ عہد فیروز شاہی میں، ص ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

اورنگ زیب ایک نیا زاویہ نظر، ص -

مقالات شبلی، ص ، ج

ابو الکلام آزاد، جامع الشواہد فی دخول غیر المسلم فی المساجد، ص ، مکتبہ ماحول، کراچی ء

سید صباح الدین عبدالرحمٰن، ہندوستان کے سلاطین، علما اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر، ص ، معارف، اعظم گڑھ ء

مقالات شبلی، ص ، ج

ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، جنوری ء، ص - ، سلطان محمد تغلق کا دورِ حکومت

جامع الحکایات ولامع الروایات، ص ، بحوالہ مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، ص

اے شارٹ ہسٹری، ص - ، ترجمہ اردو مختصر تاریخ ہند، یوسف کوکن عمری، ص -

ٹی۔ڈبلو۔آرنلڈ۔ دعوت اسلام، آرنلڈ، ص ، عام، آگرہ ء

اورنگ زیب ایک نیا زاویہ نظر، ص -

رغار، لمحات زگی

ا ب فروغ احمد قاسمی
ا ذحدی مدرسہ حسینیہ کا کلم کیرالا

اس فقید المثال کی زگی کو- جواس آب گل میں رسول اللہ سے صرف دو ڈھائی سال بعد آنکھیں کھولتی ہے، بچپن سے ہی یرا ہو جا ہے، فطرت کی سلامتی، وراباز ی کی وجہ سے تجارتی اسفار میں ساتھ رہتا ہے، اور نوزائیدہ اسلامی مملکت کی داغ بیل تی ہے کہ وزی معتمد، ومشیر خاص ہوتے ہیں- علا اقبال نے اس طرح سمیٹ کر رکھ دیا ہے

وانے کو اغ ہے بلبل کو پھول
صد کے لیے ہے ا کا رسول

درا

اول مسلمان

. کہ آپ کی سال تھی، اسلام کا آفتاب طلوع ہوا، حضرت ا بکر بغرض تجارت یمن کے سفر تھے، لوٹے ہی تھے کہ مکہ کا را وا احباب، ا ، عتبہ، شیبہ و ہ، آپ کےد گھیرا ڈال دی، اور نوزائیدہ د اسلام کی ا ع دی۔ فرا ا بکری، وتجر صدیقی سے فا ہ اٹھا چا کہ عبداللہ کے یتیم بیٹے محمد نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ اللہ کے ہیں، اوران حضرت جبرئیل وحی لے کر آتے ہیں، اس لیے لوگ چینی سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں، اس فتنے کی روک تھام میں تمہاری اصا رائے کی ضرورت ہے، اور اَ یہ فتنہ بعجلت تمام دیا گیا، تو ائی اقدار کا تسلط ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔

ادھر حضرت ا بکر رضی اللہ عنہ، رسول اللہ کے دو ، تجارتی سفروں کے رفیق، اور آپ کی کیزہ سیرت واخلاق کے عینی شاہد تھے، اپنی دورا ، ومعاملہ اور اصا رائے کی قوت سے حقیقت پہنچ گئے، احباب سے فرصت کر درِ رسا پہنچے، وحی ونبوت سے

آپ کی زبان سے سنا، اور حلقہ بگوش اسلام ہوگئے ۔

بعض روایتوں میں یہ بھی آتا ہے کہ نبوت ملنے کے بعد حضور آپ کے گھر تشریف لے گئے، اور اسلام کی پیشکش کی، حضرت ابوبکر نے بلا چوں و چرا امان لے آئے، اسی لیے حضور اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کہا کرتے کہ جس کو بھی اسلام پیش کیا، کچھ نہ کچھ تردد کا اظہار ضرور کیا، سوائے ابوبکر کہ اس نے بلا چوں و چرا قبول کر لیا ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جب پوچھا گیا تو انہوں نے حضرت حسان بن ثابت کے اس قصیدے کا حوالہ دیا، جس میں حضرت حسان نے حضرت ابوبکر کی شان میں کہا ہے:

إذا تذكّرت شَجْـوًا من أخي ثقـة　　　فاذكـر أخاك أبا بكر بما فعلا

والتالي الثاني المحمـود فشهـدهُ　　　وأول النّاس طرّاً صدق الرسلا

والثاني اثنين في الغار المنيف وقد　　　طاف العدو به إذ صعّد الجبلا

جب آپ کو کسی معتمد بھائی کی غمگینی یاد کرنی ہو تو حضرت ابوبکر کے کردار کو یاد کر لیجیے، جو رسول اللہ سے متصل ہیں، دوسرے ہیں، جن کی حاضری میں موجودگی کی تعریف کی گئی ہے، تمام لوگوں میں سب سے اول انسان ہیں جنہوں نے رسول اللہ کی تصدیق کی ہے، غار حرا میں دو میں کے دوسرے ہیں، اور جب پہاڑ پر چڑھائے تو دشمن نے ان کے ارد گرد چکر لگایا۔

صدیق وعتیق

اس فرد آہن میں کبھی جنبش نہ آئی، ابتدا سے انتہا تک ایسا ثبات قدمی کا مظاہرہ کیا کہ کبھی تو صدیقیت کے خطاب سے نوازا گیا، تو کبھی عتیق من النار کا اعزاز بخشا گیا۔

اس سلسلے میں گوچہ آرا مختلف رہی ہیں کہ آیا عتیق وصدیق کا خطاب، آپ کے نام کا جز بنا، لیکن صحیح بات تو یہی ہے کہ، یہ اسلامی دور کا اعزاز ہے، جس سے آپ نوازے گئے، ذیل میں ہم ایسی روایتیں ذکر کرتے ہیں جن سے ہمارے دعوے کو تقویت ملتی ہے۔

امام ترمذی نے حضرت عائشہ سے ایک روایت نقل کی ہے، جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز حضرت ابوبکر، حضور کے پاس تشریف لائے، تو حضور نے فرمایا: أنت عتيق الله من النار فيومئذ سُمي عتيقاً کہ تم اللہ کی جانب سے جہنم کی آگ سے آزاد ہو، چنانچہ اسی دن سے ان کا نام عتیق پڑ گیا۔

□ار اور طبرانی نے یہی روایـ□ نقل کی ہے، اور اس میں حضرت عائشہ کے بجائے حضرت عبداللہ □ زبیر ہیں اور آ□ میں اتنا اضافہ اور ہے□ وكان قبل ذلك اسمه عبد الله بن عثمان□ کہ اس سے پہلے وہ عبداللہ □ عثمان کے□م سے جانے جاتے تھے۔□□

اسی طرح واقعہ معراج کی □ا□ع، قریش مکہ کو ہوئی تو فاتحا□ا□از میں مذاق اڑ□ی، اور سمجھا کہ محمد کو جھٹلانے کا یہ موقع خوب□تھ آ□ی، دوڑے ہوئے حضرت ا□ بکر کے□س پہنچے، اور کہنے لگے□ دیکھو اب تمہارے دو□ محمد□ □□ نے□ شوشہ چھوڑا ہے، کہتا ہے کہ راتوں رات بیت المقدس گیا، پھر□اں سے آسمانی د□ کا سیر کیا، رب سے مناجات ہوئی، اور پھر وا□ بھی آ گیا۔

حضرت ا□ بکر نے صرف اتنا معلوم کیا کہ کیا واقعی ا□ اں نے یہی□ت کہی ہے تو □ نے بیک ن□ان تصد□ کی تو حضرت ا□ بکر نے کہا کہ اَ□ وہ کہتے ہیں تو□لکل سچ کہتے ہیں. □رسول اللہ □ کو معلوم ہوا تو آپ کو صد□ کا لقب د□ی۔□□

طبرانی کی ا□ی□روایـ□ میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قسم □ کر کہا کرتے تھے کہ ا□ بکر کا □م صد□، آسمان سے ا□ا ہے۔□□

ا□ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا تھا

قبیلہ تیم جس سے آپ کا نسبی تعلق تھا، قریش میں کچھ ز□دہ اہمیت کا حامل □ تھا، اس □ مستزاد یہ کہ ابھی□ یہ قبیلہ اسلام کی □وت سے آشنا □تھا، کہ وقت □ کچھ کام آ سکے، □ آپ کی جسمانی سا□ بھی حضرت □ وحمزہ رضی اللہ عنہما کی طرح مضبوط □ تھی کہ بچاؤ کیا جا سکے، لیکن ان □ کے□وجود، □د□ کے دوررس تقاضوں کو صد□ کی ذات ا□ کیوں کر کر سکتی تھی، لہٰذا □دل میں مکہ کے سرداروں کا خوف آنے د□ی جو سارے عرب میں محض اس لیے□ عزت سمجھے جاتے تھے کہ بیت اللہ کے پیروہت اور متولی ہیں، اور □ ان کے دشمنا□رو□اں اور□لفا□ طرز سے آپ کے□ئے مبارک میں لغزش آئی، بلکہ اپنی ز□گی کا اصل مشن ہی تبلیغ اسلام کو بنا□، اور □د□ کی اشا□ میں کسی قسم کا رخنہ آنے □ د□ی، خواہ اس سلسلے میں ا□ کتنا کچھ بھی □ جا□ لیکن آپ تھے کہ اسلام کی تبلیغ کیے جا رہے تھے۔

ا□□تبہ حضور □ بیت اللہ میں نماز □ھ رہے تھے، اتنے میں عقبہ □ا□ معیط آ گیا، اور آپ □ کی □دن مبارک میں چادر کا گھیرا ڈال کر بل دینے لگا، حضرت ا□ بکر کو. □معلوم ہوا تو

دوڑے آئے، عقبہ کو پکڑ کر دور کر دیا، اور کہا کہ اے لوگو! کیا تم اس شخص کو اس لیے قتل کرنا چاہتے ہو کہ یہ کہتا ہے کہ اللہ ایک ہے۔

ایک اور موقع پر حضرت ابوبکر نے صحن حرم میں جہاں قریش کا مجمع تھا، علانیہ تبلیغ شروع کی، کافروں نے حضرت ابوبکر کو پکڑ لیا، اور بے تحاشا مارنا شروع کیا، عقبہ بن ربیعہ نے چہرے پر جوتے اتنے مارے کہ پہچانا نہ جاتا تھا۔ بنو قبیلہ تیم کو معلوم ہوا تو آ کر چھڑایا، گھر لے گئے، لیکن حالت نازک ہو گئی جس پر قبیلہ کے لوگوں نے عتبہ کو دھمکی بھی دی، شام تک بے ہوشی ہو رہی۔ جب ہوش آیا تو سب سے پہلے حضور کی خیریت معلوم کی، اور اس وقت تک چین نہ آیا۔ جب تک کہ خود آ کر حضور سے دار ارقم میں ملاقات نہ کر لی۔

کچھ سعید روحوں کا قبول اسلام

آپ کی کوششیں رائیگاں نہ گئیں، بلکہ رفتہ رفتہ اسلام پھیلنے لگا، اور ایسے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے جو بعد میں چل کر، ستون اسلام ثابت ہوئے، ان سب میں آپ کی بے لوث تبلیغ کا اثر تھا، ان سعید روحوں میں جنہوں نے آپ کی وجہ سے اسلام قبول کیا، ان میں ممتاز حضرات یہ ہیں:

خلیفۂ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی کے بعد چیف ایڈوائزر حضرت عبدالرحمان بن عوف، حضرت طلحہ بن عبیداللہ، حضرت زبیر بن العوّام، فاتح قادسیہ حضرت سعد بن ابی وقاص، فاتح شام حضرت ابو عبیدہ بن الجراح۔

یہ سارے حضرات عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شبانہ روز محنت کے نتیجے میں اسلام لائے، اسی لیے اپنے و غیر سب نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ حضرت ابوبکر وہ پہلے شخص ہیں جن کی وجہ سے اسلام کو ملکی معاشرے میں اہمیت و تقویت حاصل ہوئی، پھر حضرت حمزہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے اسلام کی وجہ سے استحکام ہوا، محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں:

> وہ مستشرقین جو کہتے ہیں کہ جس ایمان کا مظاہرہ ابوبکر نے کیا، اور جس طرح انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول و فعل کی تصدیق کی، وہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ اسلام یقیناً خدا کی طرف سے ہے، کیوں کہ باطل مدعی، اور ایک جھوٹا شخص کبھی اپنے ماننے والوں کے دلوں میں ایسا ایمان پیدا نہیں کر سکتا ہے۔

اسلام کی خاطر مالی قر□نی

روایتوں میں آ□ ہے کہ قبول اسلام کے وقت حضرت ا□بکر چا□ ہزار درہموں کے مالک تھے، لیکن ہجرت کے وقت صرف □نچ ہزار □قی رہ گئے تھے، انھیں ا□اں نے را□ کے □چ کے لیے ساتھ رکھ□ تھا، □رے پینیتیس ہزار درہم ا□بکر نے اسلام کی راہ میں □چ کیا۔ ان غلاموں و □□اں کو آزاد کر□ جو پہلے سے ہی غلامیت کی وجہ سے □عد حالات سے دوچار تھے، قبول اسلام نے، ان کے کافر آقاؤں کو ظالم وجا□ بنا□، □ یہ وہ نشہ تھا، جو اذیتوں کی □شی کی وجہ سے ا□ □سکتا تھا، حضرت ا□بکر نے ان ظالموں کو منہ مانگی قیمتیں دے کر متعدد غلاموں اور □□اں کو آزاد کر□۔ □□□

ان میں مشہور و معروف □ مؤذن رسول حضرت بلال حبشی، ان کی والدہ حما□، عا□ □ فہیرہ، حضرت ا□فلیہ، حضرت ز□ہ، حضرت ام □بس، حضرت □یہ، اور ان کی صاحبزادی، اور بنی مؤمل کی لو□ی لبینہ □ لیہ ہیں۔ □□□

پھر آزاد کرنے کے بعد کبھی احسان □ جتل□، ا□ موقع □ حضرت بلال سے اذان دینے کے لیے کہا تو حضرت بلال نے □جستہ کہا کہ اے ا□بکر کیا تم مجھے اپنی خلافت کے زعم میں حکم دے رہے ہو□ پھر وہ احسان جتلا رہے ہو، جو تم نے خطیر رقم □چ کر کے مجھے آزاد کر□ تھا۔ حضرت ا□بکر رضی اللہ عنہ نے فر□ کہ ان دونوں میں سے کچھ بھی □ تو حضرت بلال نے درخوا□ ٹھکرا دی۔

ا□قحافہ جو حضرت ا□بکر کے والد تھے اور اب □ مسلمان □ ہوئے تھے، کہا کرتے تھے کہ بیٹا ا□ ان □وروں کے بجائے، مضبوط جوانوں کو آزاد کرواتے تو وہ تمہارے لیے قوت □زو بنتے، اور تمہاری □ پناہی کرتے، حضرت ا□بکر نے جواب □ □ جان □ میں تو وہ ا□ چاہتا ہوں جو اللہ کے یہاں ہے۔ قرآن نے □لکل در□ کہا ہے۔ □□□

وسيجنبها الأتقى الذى يؤتى ماله يتزكى وما لأحد عنده من نعمة تجزى إلا ابتغاء وجه ربه الأعلى ولسوف يرضى.

اور اس سے دور ر□ جائے گا وہ □ □ □ہیزگار جو □کیزہ ہونے کی خاطر اپنا مال دیتا ہے، اس □ کسی کا کوئی احسان □ ہے جس کا اسے □□ دینا ہو، وہ تو اپنے رب

کی رضا جوئی کے لیے یہ کام کرتا ہے اور ضرور وہ اس سے خوش ہوگا۔

مجھے تمہاری امان کی ضرورت نہیں

قریش مکہ کے مظالم، صرف غلاموں، اور لونڈیوں تک محدود نہ رہے بلکہ دست درازیاں، آزاد اور وزن والوں کو بھی پریشان کررہی تھیں، آپ کارنوبت یہاں تک پہنچی کہ ہر آنے والا وقت ایک نئی مصیبت کا پیغام ہوا کرتا تھا، اللہ تبارک نے ایسے موقع پر ہجرت حبشہ کا اشارہ دیا، اور مسلمان ایک ایک جو، نرم طبیعت بادشاہ نجاشی کی پناہ میں منتقل ہونے لگے، اس دوران حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جو اپنے جرأت ایمانی اور استقلال عزم وحوصلہ سے بے خوف ہوکر تبلیغ اسلام میں منہمک تھے، لیکن طرح طرح کی اذیتوں سے تنگ آکر ہجرت حبشہ کا عزم کرکے نکلے،'' برک الغماد'' تک پہنچے تھے کہ ابن الدغنہ، جو کہ مکہ کا کافر اور اثر ورسوخ یافتہ شندہ تھا اس سے ملاقات ہوگئی، ابن الدغنہ، حضرت ابوبکر کی اصابت رائے، غم خواری خاص وعام سے واقف ہی نہیں متاثر تھا۔ پوچھنے لگا، ابوبکر کہاں کا قصد ہے، حضرت ابوبکر نے ارشاد فرمایا کہ میری قوم نے مجھے تکلیفیں پہنچائیں، یہاں تک کہ میرا شہر میرے لیے تنگ کردیا۔ اب اس شہر کو چھوڑ کر جارہا ہوں۔ اس پر ابن الدغنہ اپنی امان میں لے، اور کہا ابوبکر کا سا انسان اس شہر سے باہر نہیں جاسکتا، جو مہمانوں کی مہمان نوازی کرتا ہے۔ غریبوں کے ساتھ خیر خواہی، مفلسوں رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے، ابن الدغنہ ان کو واپس مکہ لایا۔ اور اپنی امان کا اعلان کردیا، لوگوں کی زبانیں بند بھی کی۔

قوم اس بات پر راضی ہوئی کہ حضرت ابوبکر اپنے گھر میں ہی قرآن کی تلاوت کیا کریں گے تاکہ قوم کے بچے اور عورتوں کو فتنہ میں نہ ڈال سکیں۔

حضرت ابوبکر نے اپنے صحن ہی میں ایک جگہ تلاوت کے لیے مختص کرلی، لیکن آپ اس قدر رقیق القلب تھے کہ جب تلاوت فرماتے تو عورتیں اور بچے اپنی چھتوں پر چڑھ کر آپ کی تلاوت سنتے، جس سے وہ متاثر ہوتے جاتے تھے، قوم کو یہ کیوں کر گوارا ہوسکتا تھا، فوراً ابن الدغنہ سے اس کی شکایت کی، ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ یا تو آپ میری امان میں رہیں یا تلاوت اس طرح نہ کریں، جس پر حضرت ابوبکر نے کہا کہ مجھے تمہاری امان کی ضرورت نہیں ہے، مجھے میرے اللہ کی امان کافی ہے، ابن الدغنہ نے بھی اس نقص امان کا اعلان قوم میں کردیا، پھر وہی ابتلاء و آزمائش شروع ہوگئی جو برسوں سے چلی آرہی تھی، بلکہ اس میں اور بھی تشدد پیدا ہوتا چلا گیا۔[۱۰]

سفرہجرت میں یارغار کی رفاقت

سن دس ہجری میں بیک وقت دو دو محسن حضرت رضی اللہ عنہا اور ابوطالب کے اٹھ جانے سے رسول اللہ کو جو غم ہوا تھا، وہ ہوا۔اسی لیے یہ سال ''عام الحزن'' کے نام سے تاریخ کی کتابوں میں جانا جاتا ہے۔ پھر طائف کے سفر میں جو روا سلوک، طائف والوں نے کیا، جس سے مکہ کے کفار اور بھی جری ہو گئے اور ہر طرح سے نے ہی بلکہ ختم کرنے نعوذ باللہ کی ک کوشش سے بھی کیا، لیکن اللہ ک نے اس کا انتظام پہلے سے ہی کر رہا تھا۔ یثرب والوں نے اپنے یہاں آنے کی دعوت ہی دی بلکہ ہر طرح کی حفاظت کی ذمہ داری بھی لی، چنانچہ محرم نبوی سے ہجرت شروع ہوئی، اور دو مہینے میں دوسو خاندان کے قریب یثرب پہنچ گئے۔صرف ور قسم کے لوگ ہی بچے تھے۔ پھر در رسا ، اور خاندان رسا کے لوگ مصلحتاً گئے تھے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اجازت طلب کی تھی، لیکن ان کو یہ کہہ کر روک دیا گیا تھا کہ ہوسکتا ہے کوئی اچھا ساتھی مل جائے، حضرت ابوبکر نے اشارہ سمجھ تھا۔اسلیے اسی وقت سے تیاریاں شروع کردی تھیں۔دو اچھی سی سواریاں بھی لی تھیں، اور خوب کھلا پلا کر فربھی کر تھا۔ لاآ کے اوان میں حضور اکرم کو بھی ہجرت کا حکم مل گیا، ادھر حضور کا معمول تھا کہ روز صبح وشام حضرت ابوبکر سے ملنے ان کے گھر تشریف لے جاتے، حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ ایک روز خلاف معمول، سر کپڑا اڑالے ہوئے دوپہر میں تشریف لائے، اور میں حضرت ابوبکر سے اپنے ارادے کا اظہار کیا کہ آج رات ہجرت کے لیے نکلنا ہے اور رفاقت تمہاری ہی رہے گی۔حضرت ابوبکر تو اچھل ے، دوسری طرف دارالندوہ کے ابلیسی مشورے کی خبر رسول اللہ کو اشارۂ غیبی سے ہوچکی تھی۔اس لیے حضرت علی کو آج رات بستر سونے کا حکم دیا اور تہائی رات کے بعد کفار کے مجمع جو گھیرا ڈالے، در رسا کے ارد داس لیے بیٹھے تھے کہ صبح ہوتے ہی اجتماعی حملہ کر کے ہمیشہ کے لیے اسلام کا قصہ تمام کر دیا جائے۔رسول اللہ ان شاہت الوجوہ ھتے ہوئے اور ان کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے ہر نکل گئے، اور حضرت ابوبکر کے گھر پہنچے، حضرت ابوبکر سر انتظار بیٹھے تھے، جلدی میں سامان تیار کیا، توشہ دان کے لیے کچھ تو حضرت اسماء نے اپنا پٹکا چاک کر کے ھا اس طرح وہ ہمیشہ کے لیے ذات النطا کے نام سے مشہور ہوگئیں حضرت ابوبکر نے قی ما ہ ہزار درہم لیے، عقبی کی سے دونوں رفیق نکلے، شہر سے

چار میل دور غار ثور میں ایک دو روز کے لیے چھپ گئے، اس دوران حضرت ابوبکر کے صاحبزادے حضرت عبداللہ، قریش کی تمام نقل وحرکت پہنچاتے رہے، جواں سال صاحبزادی حضرت اسماء تمام خطرات کو انگیز کرکے کھانا پہنچایا کرتی، اور غلام عامر بن فہیرہ بکریاں کو چرانے اسی طرح لے آتے ضرورت کے مطابق دودھ وگوشت پلاتے اور کھلاتے، اس طرح حضرت ابوبکر کا سارا گھرانہ ہجرت کے عمل میں شریک رہا اور جو شریک نہ مثلاً عبدالرحمان بن ابوبکر جو ابھی تک کفر کی گندگی میں ملوث تھے انھوں نے بھی اس راز کو بالکل فاش نہ کیا۔

آنسو بہہ نکلے

یہ دو نفری قافلہ، غار ثور پہنچا، حضرت ابوبکر نے روایتوں کے مطابق آپ کو اپنے کندھے پر اٹھایا تاکہ قدم مبارک کے نشان نہ آنے پائے مبادا قدم شناشی سے پکڑے جائیں۔ غار کے دہانے پر پہنچے، رسول اللہ کو تھوڑی دیر کے لیے وہیں پر روک دیا، خود اندر تشریف لے گئے، غار کو خوب اچھی طرح صاف کیا، کچھ سوراخ تھے، جس سے زہریلے جانور سے خطرہ تھا، ان سوراخوں کو اپنی چادر پھاڑ کر بند کیا، پھر حضور کو آواز دی، حضور اندر تشریف لے گئے۔ چار میل کا سفر وہ بھی پہاڑی سفر، بڑا دشوار گزار رہا۔ زانوئے صدیقی پر سر رکھ کر سو گئے۔ اتنے میں ایک سوراخ نظر آیا۔ حضرت ابوبکر نے اپنا انگوٹھا ہی اس پر رکھ دیا، ایک روایت کے مطابق کسی زہریلے سانپ نے آپ کو ڈس لیا، درد کی شدت بڑھتی جارہی تھی، لیکن اس وقت، ماضی حال، مستقبل کی سب سے عظیم ہستی آپ کے زانو پر سر رکھے ہوئی تھی، حرکت کرنے کی بھی زحمت نہ کی، لیکن شدت کی تاب نہ لاکر، آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور آپ کے رخ انور پر اس کے بعض حصے گرے، جس سے آپ کی آنکھ کھلی، حضرت ابوبکر کو آبدیدہ دیکھ کر وجہ دریافت کی۔ حضرت ابوبکر نے ساری تفصیلات بتائی، تو حضور نے لعاب دہن اس ڈسے ہوئے مقام پر لگادیا، جس سے تکلیف جاتی رہی۔

کھسیانی بلی کھمبا نوچے

ادھر بدبختوں کی ٹولی نے صبح کی، اور حضور کے بجائے، حضرت علی کو بستر رسالت سے بیدار ہوتے ہوئے دیکھا، تو دماغ چکرانے لگا، جھلاہٹ کی حالت میں کچھ بھی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا جائے، کبھی تو حضرت علی سے سختی سے پوچھ رہے تھے، لیکن حضرت علی

کیوں کر کچھ بتا سکتے تھے، . یہاں سے ما ہی ہوئی تو سیدھا حضرت ا بکر کے گھر پہنچے، ں بھی گھر کو خالی دیکھ کر یقین ہوگیا کہ یہ دونوں نکل چکے ہیں، حضرت اسماء سے چھا، جس حضرت اسماء نے لاعلمی کا اظہار کیا، تو بخت و طن ا نے ای ا نچہ مارا جس سے کان زخمی ہوگیا اور لی دور ی، حضرت اسماء نے کچھ بتا۔

. ہر طرح سے ما ہی رہی تو کفار نے اعلان کر ی کہ جو ی وہ پکڑ کر لائے گا اسے نقد سو او انعام ی جائے گا۔

غار ثور اور تلاشی مہم

کفار کی جا سے تلاشی مہم جاری رہی، جوں جوں وقت جا تھا۔ انعام کا حریص اور بھی شدت ا ر گیا، ا تھا کہ وہ لوگ اسی کے لیے ادھار بیٹھے تھے، ٹ یں، جھاڑ یں، پہاڑ یں غرض کہ ہر چھان ماری، لیکن کہیں سراغ لگا، ای تب تو غار ثور کے منہ آ گئے، قری تھا کہ ا وہ ا ر کو جھا لیتے تو یہ دونوں مقدس ہستیاں نظر آ جا ، حضرت ا بکر کو تشویش ہوئی اور تشویش ہونی ہی چاہیے، ان کو فکر اپنی جان کی بلکہ خلاصۂ کائنات کی تھی، ا ں نے اپنی تشویش کا اظہار چپکے سے، حضور سے بھی کیا، حضور نے فر ی کہ اے ا بکر لاتحزن إن الله معنا غم کی حا ہے، اللہ کی معیت ہمارے لیے ہے۔ یہ تھا کہ حضرت ا بکر گو سکی یت زل ہوگئی۔ ای بخت ا ر گھسنے کا ارادہ بھی کر تھا، بعض نشانیوں کو دیکھ کر خود بھی ز ، اور اوروں کو زر ۔

قرآن ک نے اسی واقعہ کو ’’ نی اثنین‘‘ کے لفظ سے ذکر کیا ہے، اور اس طرح حضرت ا بکر کو دو میں کا دوسرا کہہ کر جاودانی عظمت و شرف سے سرفراز کیا ہے۔ آج کروڑوں کی تعداد میں مسلمان تلاوت کرتے ہیں، اور وہیں إن الله معنا کا حوا بھی ھتے ہیں۔ غار ثور کے اسی واقعہ، اور رفاقت و بلہ جاں نثاری کو اردو و فارسی میں ’’ ر غار‘‘ کے لقب سے ج جا ہے، جس کا مطلب یہی ہو ہے کہ انتہائی جاں نثار، اور مشکل وقت میں کام آنے والا دو ۔

غار ثور سے روانگی

دنوں غار ثور میں قیام کرنے کے بعد، حضرت عبداللہ ا بکر نے ا ع دی کہ اب تھک ر کر بیٹھ گئے ہیں۔ حضرت ا بکر نے پہلے سے تیار کی ہوئی دونوں سوا یاں

منگوائیں، ای حضور کی مس میں کی، اور ای خود سوار ہوئے، ساتھ میں حضرت عبداللہ، وحضرت عا فہیرہ کو اور را کی رہنمائی کے لیے ای کا فر قابل اعتماد شخص عبداللہ ا یقط ارقد کو اور مقدس ومختصر قافلہ مدینے کے لیے روا ہوا، را بھر کی کیفیت عجیب رہی، بھی کسی خطرے کا احساس ہوا، ب ھر سے ہوا ادھر ہی حضرت ا بکر ہو جاتے ہیں کہ مبادا کوئی خطرہ لاحق ہو تو اس کا شکار اولاً ا بکر ہوں، رے ای دن ورات سفر کرنے کے بعد یہ قافلہ ای در کے سایے تلے رکا۔ حضرت ا بکر نے اپنی چادر، اس در کے نیچے بچھائی کہ رسول اللہ ا ا فرماو ، خود نگہبانی میں لگے رہے۔ قری بی ہی کچھ بکر یاں رہی تھیں، جا کر دودھ د ، پھر تیار کر کے حضور کے س لائے کہ حضور نوش فرمالیں۔

آپ کے اس ب جاں نثاری کو دیکھ، عبداللہ ا یقط بھی متأ ہوئے ۔ اس طرح یہ قافلہ تمام خطرات سے رتے ہوئے، یکم ربیع الاول نبوی ستمبر ء کو مدینہ کے مضافاتی محلات میں پہنچا۔

خادم و وم میں فرق

اہل یثرب کو پتا چل چکا تھا، اس لیے سر انتظار کر اہ تھے، لیکن ان میں اکثر ی ان حضرات کی تھی، ں نے حضور نور کو کبھی بھی دیکھا تھا۔ حضرت ا بکر نے اپنی چادر حضور کے سر مبارک دراز کر دی کہ سایہ بھی ہو جائے، اور خادم و وم میں فرق بھی ہو جائے۔ اس طرح حضرت ا بکر کا را گھرا اس ہجرت میں شری ، جو اسلام و مسلمانوں کے لیے ای انقلاب آفر اقدام تھا، جس سے مسلمانوں کی عظمت وتفوق تصد ثبت ہوئی۔

مدنی ز گی

مقام میں قیام

مدینہ پہنچ کر اولین ضرورت اس ت کی تھی کہ شندگان مکہ، وانصار شندگان یثرب کے مابین ارتباط کامل پیدا کی جائے کہ ای دوسرے میں ضم ہو کر، ای صالح معاشرہ کی داغ بیل سکے، رسول اللہ نے مواخات کے ذر اس ر ہمی کوا ار کیا، اور ا ب ہم پیدا کیا کہ رہتی د اس کی مثال ال سکی۔

حضرت ابکر رضی اللہ عنہ کی مواخات قبیلہ رج کے ای سرکردہ مسلمان سے ہوئی جس کا م خارجہ زی زہیر زی خارجہ علی ا ف القولین ہے۔ حضرت ابکر کے یہ مواخاتی بھائی، مدینہ کی مضافاتی بستی مقام ''نخ'' میں رہتے تھے، طبائع کی ہم رنگی اور دینی کا انجذاب اس طرح ر لای کہ اس انصاری بھائی نے اپنی بیٹی کی شادی - جن کا م تو حبیبہ تھا لایہ - حضرت ابکر سے کردی جن سے حضرت ام کلثوم پیدا ہوئی، حضرت ابکر نے اپنی ائش وہیں مقام ''نخ'' میں بنالی تھی، مسجد نبوی کے ارد د کے پلاٹ مخصوص صحا میں تقسیم ہوئے تو حضرت ابکر رضی اللہ عنہ کے حصے میں بھی ای پلاٹ آی، جس میں حضرت نے مکان تعمیر کروا کر، مکہ کے اہل وعیال کو وہیں ر ، لیکن خود حضرت کے وصال مقام ''نخ'' میں مستقل قیام ی رہے، وصال نبوی کے بعد خلافت کی ذ داری آئی، اور مقام نخ میں رہ کر امور خلافت میں کہ ہی ہونے لگی تو پھر مدینہ مسجد نبوی والے مکان میں منتقل ہوگئے۔ ا ہفتہ میں جمعرات کو مقام ''نخ'' جای کرتے تھے۔

صالح معاشرہ کے قیام میں حضرت ابکر کا حصہ

مقام ''نخ'' میں رہنے کے وجود، حضور کے ہم دم ساتھ رہے، اور حضور کی توجہ جن اہم ئل ہوتی ان میں ا شری رہے، بلکہ آپ ہی معتمد خاص اور وزی خاص تھے، مذی کی روای میں ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمای کہ میرے دو وزی آسمان والوں میں سے ہیں اور وہ جبرئیل ومیکائیل ہیں۔ اور دو وزی زمین والوں میں سے ہیں اور وہ ابکر و ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ وہ تجارت جو ابکر مکہ میں کیا کرتے تھے، جس کی خاطر ا اں نے یمن وشام کا بھی سفر کیا تھا، مدینہ میں قدرے سکون نے کے بعد شروع کردی، لیکن کبھی ہر کا سفر ہوسکا، اور جو تجارتی خوش حالی مکہ میں حاصل تھی، مدینہ میں لکل رہی، بلکہ معقول ربسر کے لیے کما کرتے تھے قی اوقات صالح معاشرہ کے قیام واستحکام کے لیے حضور کے شا بشا رہتے، بلکہ ہمیشہ گوش آواز رہتے کہ ن نبوت سے کوئی حکم صادر ہو اور اس کی تعمیل میں لگ جای جائے۔

قریش مکہ کی کھلاہٹ

قریش مکہ بھی پل پل کی خبر سے واقف تھے۔ آپ کے غم وغصہ سے ولے

ہوتے جارہے تھے، اور جس روحانی، اخلاقی، ومعاشرتی نظام کے قیام سے خائف تھے۔ اب مدینہ کی سرزمین میں اس مبارک انقلاب کا آفتاب طلوع ہو چکا تھا، وہ دیکھ رہے تھے کہ مدینہ کے و انے شندے ای دوسرے میں ا ب ہو چکے ہیں کہ کوئی امتیاز قی ا۔ انصار مدینہ نے ایثار کا ا ب کیا ہے کہ اپنا آدھا آدھا سرمایہ کرنے سے بھی در ۔ ان ب کے علاوہ ان کو ب سے ز دہ خطرہ شامی تجارت کو تھا، کیوں کہ ان کا یہ قافلہ مدینہ سے قری ہی ہو کر ہے، ا خطرہ تھا کہ اب مسلمان ان کے اس قافلہ کو روکیں گے، سامانوں کو لوٹیں گے۔ دوں کو قیدی وغلام بنائیں گے، اسی کھلاہٹ میں وہ مسلسل دھمکیاں بھیجنے لگے کہ اے یہود مدینہ اَ تم نے ا ں سے نکالا، تو ہم ای ز د فوج لے کر آئیں گے، اور تم کو نیست و دکر د گے۔

قریش مکہ کی ہائی، اور حضرت ا بکر کی ئت ایمانی

قریش نے ان دھمکیوں کے ساتھ، وا تیا یں بھی شروع کردی تھیں، اس کے لیے ا ں نے ای مخصوص کیا تھا، جس کے لیے ا ں نے ای تجارتی قافلہ ا سفیان کی سرکردگی میں روا کیا تھا کہ اس کے تمام منافع کو اس میں جمع کیا جاسکے، ا سفیان کا یہ قافلہ بھی خوب منافع حاصل کر کے وا آ تھا، جس کو رو کے لیے، مسلمانوں کی مٹھی بھر نکلی تھی، لیکن یہ قافلہ نکلا، قریش کو اس کی خوش خبری مل بھی چکی تھی، لیکن وہ ای ہزار فوجی د ں کے ساتھ چلے آرہے تھے کہ مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجاد ، رسول اللہ نے سوا و صحا کو لیے ہوئے، جس میں صرف دو گھوڑے، نتر سوار تھے، ررمضان ہجری کو ان کے مقابلے کے لیے صف آرا ہوئے۔ ررمضان المبارک کو قدسیوں کا یہ قافلہ ر کے مقام خیمہ زن ہوا، یہ نہتے ضرور تھے، دل مضبوط و مطمئن رکھتے تھے۔ ا ساز وسامان سے ز دہ اپنے اللہ بھروسہ تھا، جو لڑا کر تو غازی بنا ہے دن کٹوا کر شہیدوں کی فہر میں درج کر ہے۔ دونوں مقام عالی ہیں۔

صحا نے حضور کے لیے ای ٹیلے عریش سائبان بنا، اور اتفاق رائے سے حضرت ا بکر کو حضور کا رڈی گارڈ مقرر کیا، کس قدر زک موقع تھا، د ں کی تعداد کیل کانٹے سے تھی، ہر وقت حملے کا خطرہ ہی موت کا ا تھا، لیکن حضرت ا بکر ہی غار ثور کے مشکل مقام

بھی دو میں کے دوسرے تھے۔ آج ر کی پہلی لڑائی - جس نے کفر کی توڑ کر رکھ دی، اور مسلمانوں کا سارے عالم بٹھا دیا - میں بھی دو میں کے دوسرے تھے۔

رسول اللہ حملے سے پہلے والی رات میں سر وانکسار کر تھ ئے دعائیں کررہے تھے کہ ری تعالیٰ یہ مٹھی بھر اَ آج فوت ہوگئی تو پھر اس روئے زمین تیری عبادت کرنے والا کوئی ہوگا، الٰہی اپنا وعدۂ مدد را فرمایئے۔

روایتوں میں آ ہے کہ حضور نے اس قدر الحاح وزاری کیا کہ کئی تبہ چادر مبارک ان سے نیچے گئی، حضرت ابکر راس کو ھے ڈالتے رہے۔ آ میں حضرت ابکر نے کہا کہ رسول اللہ میرے ماں پ آپ قر ان ہوں، اس قدر دعا، کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے جو فتح ونصرت کا وعدہ کیا ہے وہ را ہو کر رہے گا۔

حضرت ابکر کی اس ارش میں ا کیفیت تھی کہ حضور نے وہیں دعا ختم کردی اگلے روز صف بندی ہوئی تو حضرت ابکر کو میمنہ کا سردار مقرر کیا۔

بیٹے تلوار چلانے میں کوئی ہچکچاہٹ

جنگ شروع ہونے سے پہلے د ر کے مطا ، کفار کی جا سے حضرت ابکر کے صاحبزادے، عبدالرحمان ابکر - جواب مسلمان ہوئے تھے، نکلے اور مبارزت طلب کی، حضرت ابکر آگے ھے لیکن حضور نے اجازت دی، اور فرمایا کہ تلوار م میں رکھ لو۔

حضرت عبدالرحمٰن نے مسلمان ہونے کے بعد ای دفعہ حضرت ابکر سے ذکر کیا کہ جان غزوۂ ر میں ای تبہ آپ میری تلوار کی زد میں آگئے تھے، لیکن میں نے اپنا تھ روک۔ حضرت ابکر نے کہا کہ بیٹے اَ تو میری تلوار کی زد میں آ گیا ہو تو میں تیری دن اڑائے رہ سکتا تھا۔

اسیران قریش کو کردیا جائے ان نبوت کی رائے

اللہ ک نے غزوۂ ر کے ذر اسلام کو وہ شو دی کہ پھر کفر اُت کے ساتھ سر ابھار سکا۔ اس غزوہ میں جس جگری سے صحا کی قلیل تعداد نے لڑائی لڑی تھی، کہ اسیران قریش جن کی تعدا تھی، خوفزدہ تھے، ا اں نے حضرت الخطاب کو اپنے ماموں عاص وائل کو قتل کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ حضرت اعبیدہ کو اپنے پ تلوار چلاتے ہوئے اور حضرت ابکر کو

اپنے بیٹے کے مقابلے میں مبارزت کے لیے ا تے دیکھا تھا۔ اس لیے انھیں یقین تھا کہ انھیں کیفر کردار تک پہنچا کر ہی دم لیا جائے گا، حضور نے صحابہ کو جمع کیا اور مشورہ کیا کہ کیا جائے، حضرت عمر تو اس پر مصر رہے کہ ان سب کو قتل کردیا جائے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حلیم الطبع ذات تھی، جو کہہ رہے تھے کہ آخر یہ بھی تو ہمارے ہی بھائی ہیں۔ یا رسول اللہ ان کو رہا کیا جائے، ہوسکتا ہے اللہ پاک اسلام کی توفیق دے، خود حضور بھی انتقامی کارروائی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ آخر حضرت ابوبکر ہی کے مشورے پر فیصلہ ہوا کہ جو پڑھنا لکھنا جانتے ہیں وہ دس دس خواندہ مسلمان کو تعلیم دے کر رہا ہوں، اور جو خواندہ ہیں وہ فدیہ دے کر رہائی حاصل کرے۔

غزوۂ احد وحنین میں جواں مردی

یہ دو غزوے وہ ہیں جن میں ظاہری طور پر مسلمانوں کو اپنی بعض غلطی یا عجلت پسندی کی وجہ سے ہزیمت وقتی ہوئی، لاکھ آنکھ حواس ا کہ اپنا خیال رہا اور نہ ہی رسول اللہ کا، لیکن ان دونوں غزووں میں ہم حضرت ابوبکر کو اس طرح پاتے ہیں کہ رسول اللہ کی ذات مقدس سے چمٹے ہوئے ہیں کہ مبادا کفار کی یلغار سے رسول اللہ کو زک نہ پہنچے۔

غزوۂ احد کے موقع پر حضور ایک گڑھے میں گر گئے، تو سب سے پہلے اس گڑھے تک پہنچنے والے حضرت ابوبکر ہی تھے۔ جب احد سے کفار چلے گئے اور مسلمان زخموں سے چور چور تھے، کسی میں اٹھنے کی تاب نہ تھی، لیکن کفار کے تعاقب میں جانا ضروری سمجھا گیا، تو حضرت ابوبکر وزبیر وغیرہ صحابہ نے حمراء الاسد تک ان کا تعاقب کیا، جس تعاقب کی وجہ سے امیر کفار ابوسفیان کو پلٹنے کا خیال بھی آیا تھا، نہ پلٹ سکا۔

اسی طرح غزوۂ حنین میں جب مسلمانوں کے قدم اولاً اکھڑ گئے تو جن حضرات نے ثبات قدمی اور انتہائی عزم وحوصلہ جواں کا ثبوت دیا ان میں حضرت ابوبکر کی ذات بھی تھی۔ طبقات ابن سعد میں ہے وثبت معه يومئذ (يوم حنين) العباس بن عبدالمطلب وعلى بن أبي طالب والفضل بن عباس وأبوسفيان بن الحارث بن عبدالمطلب و ربيعة بن الحارث وأبوبكر وعمر وأسامة وزيد في اناس من اهل بيته وأصحابه.

اور جب کفار حنین سے بھاگے، اور قلع طائف میں محصور ہوئے، تو ان کا تعاقب خود نے کیا اس میں بھی حضرت ابوبکر، حضور کے ساتھ رہے۔

حدیبیہ میں عروہ کو ٹکا سا جواب

. حدیبیہ جس کو قرآن ک میں فتح مبین کہا گیا ہے۔ جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر حضور نے مکہ تھا لیکن ان کو اہل مکہ نے روک تھا، اور اس طرح ان کی شہادت کی خبر پھیل گئی۔ حضور نے ا در کے نیچے بیٹھ کر، موت بیعت لی تھی بیعت رضوان کہا جا ہے، اور قرآن نے ان تمام صحا کو ان نے بیعت رضوان کیا، خوشنودی کی سرٹیفکیٹ دی ہے۔ قریش کو یہ خبر پہنچی تو ان کے دماغ بھی نے لگے، اور پیامی کرنے لگے، عروہ ثقفی جو ا مد شخص تھے اور اب دامن اسلام سے وابستہ ہوئے تھے، کفار کی جا سے شرائط طے کرنے کے لیے آئے اور اپنی جنگی تیا یں ھا ھا کر بیان کی کہ مسلمان دب کر کر ان کار مسلمانوں بیٹھ جائے۔ حضرت ابکر ساری ت بہت غور سے سن رہے تھے۔ ان سے دا ہو سکا اور عروہ کو ٹکا سا جواب دیا "امصص بظر اللات" کہ لات کی شرمگاہ چاٹ، کیا تو ہے کہ ہم رسول اللہ کی مدد چھوڑ د گے۔

عروہ نے چھا یہ کون ہے، حضور نے فرما کہ ابکر، تو عروہ نے کہا کہ ا ابکر کے احسا ت مجھ ہوتے تو میں اس کا جواب دیتا۔

حضور کی رکاب تھام لو

حدیبیہ جو بظاہر دب کر ہوئی، صحا ہر تیار تھے، لیکن حضور نے وحی الٰہی کی بنا یہ کی تھی۔ حضرت سے بھی گیا، آ حضور سے سوال و جواب بھی کیا، جس کا ز گی بھرا افسوس ر۔ حضرت نے حضرت ابکر کے س بھی جا کر عدم اطمینان کا اظہار کیا، لیکن ابکر تو نبوت کے رمز شناس تھے مقام صدیقیت فا تھے، اور حضور کے ہر قول و فعل ا وصدّقنا کہنا اپنے لیے مایۂ افتخار سمجھتے تھے، ا ں نے حضرت سے کہا کہ حضور کی رکاب تھام لو، آپ نے جو کچھ کیا ہے، وہ اللہ کے حکم سے کیا ہے، د و مسلمانوں کے فا ے کے لیے کیا ہے۔

ا کا یہاں آ منا تھا

فتح مکہ کے موقع جس میں ہزاروں قدسیوں کا قافلہ، مکہ میں فاتحا دا ہو تھا، حضور

□ کے ساتھ ابوبکر بھی ایک حصے کے علمبردار تھے، عام معافی کا دن تھا، کفار مکہ حضور □ اور مسلمانوں کے □□یں حسن سلوک کو دیکھ کر اسلام سے متاثر ہوئے □□رہ سکے، چنانچہ مسلمان ہونے کا □ نتا بندھ گیا۔ عثمان ابو قحافہ جو حضرت ابوبکر کے والد ہوتے تھے، ابھی تک مسلمان بھی □ ہوئے تھے، بینائی بھی جاتی رہی تھی، حضرت ابوبکر ان کو پکڑے ہوئے دررسالت میں پہنچے اور کلمہ □ ھانے کی درخواست کی، تو حضور نے فرمایا کہ ابوبکر ان کو آنے کی کیا ضرورت تھی مجھے خبر کر دیتے، میں ہی ان کی خدمت میں حاضر ہو جاتا۔ اور وہیں کلمہ □ ھوا دیتا، لیکن حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ □، اے اللہ کے رسول! ا□ کا یہاں آنا مناسب تھا۔ ابو قحافہ مسلمان ہوئے اور حضرت □ کی خلافت تک □□ حیات رہے۔ □□□

□ اور رسول کا □ م چھوڑ آیا ہوں

اس طرح اسلامی مملکت پھیلتی گئی، لیکن □ ھر □ میں، سرحد کے شمال کی جانب □ سے تشویش □ ک خبر □ موصول ہونے □، کہ □ زنطینی □ دشاہ ہرقل، مسلمانوں □ حملہ آور ہونے والا ہے، ادھر شدید □ ہی، بلکہ ہو کا عالم ہے۔ صحا□ □ سروسامانی کے عالم میں ہیں۔ ابھی تو مختلف جنگوں سے فارغ ہوئے ہیں، جس میں جسم کا ا□ ا□ ٹوٹ □ ہے، ابھی □ سے ز□ دہ ضرورت تجارت و معیشت کی بحالی کی تھی، لیکن اسی عالم میں ای□ منادی مسجد نبوی سے اعلان کرتا ہے کہ □ لوگو□ د□ ں کے خلاف جنگ لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ، اور جو بھی نقد □ ثہ ہو جہادی □ میں جمع کردو، لوگوں نے تمام ضرورتوں کو□ لائے طاق رکھ کر، اپنی اپنی بساط کے مطا□ مال و اسباب جمع کرنے شروع کیے۔ حضرت عثمان □ رضی اللہ عنہ نے فوج کے ای□ ثلث کا □ را□ چ اپنے ذمے □، □ ای□ ہزار او □ □ گھوڑے، اور ای□ ہزار □ ئی دینار نقد □ کیے، حضرت □ □ الخطاب کے □ س بھی اس موقع □ □ معمولی اسباب تھے، □ کا نصف لا کر حضور کی □ مت میں □ کر دیا، اور اس طرح ای□ گو□ اطمینان محسوس کیا کہ آج اپنے ساتھیوں سے □ لے جائیں گے، لیکن دوسرے ای□ نحیف و □ ور صحا□ دور سے اپنے سارے سامان لادے ہوئے آ رہے ہیں، حضور در□ فت فرماتے ہیں کہ اہل و عیال کے لیے کتنا چھوڑا ہے، انتہائی سادگی سے فرماتے ہیں کہ اللہ و رسول کا □ م چھوڑ آیا ہوں۔ وہ صحا□ حضرت ابوبکر صد□ رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ □□□

علا□ اقبال نے اسی واقعہ کو اپنی مؤ□ نظم میں اس طرح □ □یا ہے۔

اتنے میں وہ رفیق نبوت بھی آگیا — جس سے بنائے عشق ومحبت ہے استوار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مرد وفا سرشت — ہر چیز جس سے چشم جہاں میں ہو اعتبار
ملک یمین ودرہم ودینار ورخت وجنس — اسپ قمر، سم و شتر وقاطر وحمار
بولے حضور چاہیے فکر عیال بھی — کہنے لگا وہ عشق ومحبت کا راز دار
اے تجھ سے دیدۂ مہ وانجم فروغ گیر — اے تیری ذات باعث تکوین روزگار

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

پہلا امیر حج

۹ہجری کو عام الوفود بھی کہا جاتا ہے، کیوں کہ اب اسلام کا غلغلہ ہو چکا ہے اور لوگوں کا ایسا تانتا ہے، جو وفود کی شکل میں مدینہ آرہے ہیں۔ پھر دین اسلام سے روشناس ہو کر حلقہ اسلام سے وابستہ ہورہے ہیں۔ اسی سن میں حج فرض ہوا، تو حضور ﷺ نے امیر حج کے لیے ابوبکر کا انتخاب کیا اور تین سو صحابہ کا امیر حج بنا کر مکہ روانہ کیا۔ مسلمانوں نے آپ کی امارت میں آزادانہ طور پر مناسک حج ادا کیے۔

آنکھوں سے اشک رواں

پھر آئندہ سال ۱۰ ہجری میں اعلان عام ہوا کہ رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس حج کے لیے تشریف لے جارہے ہیں، اس لیے لوگوں کا ایک انبوہ بعض روایتوں کے مطابق ایک لاکھ سے زائد کا مجمع مکہ میں جمع ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ آخری حج تھا، اس لیے حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔ حضور نے اس موقع پر کئی وقیع خطبے دیے، جن میں دین کے تمام اہم اصولوں کو کھول کھول کر بیان کیے، اسی موقع پر الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً نازل ہوئی حضور نے لوگوں کو اس آیت کی خوش خبری دی، سب لوگ خوش بھی ہوئے، لیکن بندۂ ابوبکر تھا، جو پھوٹ پھوٹ کر روئے جارہا تھا، ساتھیوں کو تعجب بھی ہورہا تھا کہ ابھی تو اشک رواں کا کوئی موقع نہیں، لیکن وہ تو صدیقیت کے مقام پر فائز تھا۔ سمجھ رہا تھا کہ دین کی تکمیل کے بعد اب رسول ﷺ کی اس دار فانی میں کیا ضرورت ہے۔ اب اللہ تعالیٰ اپنے پاس بلانے والا ہے۔

ض وفات اور ہ نماز کی امامت

. د کی تکمیل ہوگئی، تو نبی کا کام را ہو چکا ہے، کچھ اشارہ غیبی سے بھی اس طرف متنبہ کر گیا، اس لیے آپ نے بھی ساری تیاریاں مکمل کر لی، کو جنت البقیع تشریف لے گئے، مدفو کے لیے دعائے مغفرت کی، وا طبیعت ساز ہوگئی، ابتدائی دنوں میں آپ خود تشریف لاتے اور نماز ھاتے، لیکن . نقاہت زیادہ ہوگئی، تو حضرت ابکر کو حکم دیا کہ وہ نماز ھائیں، ہر چند کہ حضرت ابکر رقیق القلب تھے ان سے رسول اللہ کی موجودگی میں اہا دشوار تھا۔ حضرت عائشہ و رضی اللہ عنہا بھی مصر تھیں کہ حضرت کو حکم دیا جائے، لیکن رسول اللہ نے سختی سے حکم دیا کہ ابکر نماز ھائیں، اس طرح آپ کی زندگی میں ہی، رحلت سے قبل نمازوں کی امامت حضرت ابکر رضی اللہ عنہ نے کی۔

درتیچے بند کردیے جائیں سوائے ای درتیچے کے

کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ مسجد نبوی کے ارد رہائشی پلاٹ سے حضرت ابکر کو بھی ای حصہ تھا، جس میں ا ں نے ای مکان بنوایا تھا، اس کی ای کی مسجد کی جا کھلتی تھی۔ حضور نے دوران ض ای روز افاقہ محسوس کیا تو مسجد تشریف لائے، اور منبر تشریف رکھ کر فرمانے لگے کہ اللہ ک نے ای بندے کو ا ر دیا کہ وہ چاہے تو د کو ا ر کرلے یا پھر آ ت کو جیح دے، چنانچہ اس بندۂ انے آ ت کو جیح دی۔ یہ سن کر مجمع میں سے حضرت ابکر کی آنکھوں سے زاروقطار آنسو بلنے لگے، حضور نے فرمایا کہ ابکر صبر سے کام لو، پھر فرمایا کہ درتیچے بند کردیئے جائیں صرف ابکر کا دریچہ کھلا رہے گا، پھر حضرت ابکر کے احسانات حضور نے گنوائے۔

بیٹھ جاؤ

حضرت ابکر کے ذمے ای تو نماز کی امامت کی ذمہ داری آئی، دوسرے حضور کی علا کی وجہ سے وہ اپنے گھر - جو مقام ''سنح'' میں تھا - جاسکے، ای روز صبح کی نماز کے بعد حضور سے اجازت لے کر ''سنح'' چلے گئے، اتنے میں حضور کا وصال ہوگیا۔ یہ خبر آگ کی طرح

، حضرت ا بکر دوڑے ہوئے تشریف لائے، مسجد نبوی پہنچے تو دیکھا کہ صحا حواس ہیں، حضرت ننگی تلوار لیے ے ہیں، اوراعلان کررہے ہیں کہ جوکوئی کہے گا کہ محمد کی وفات ہوگئی ہے، اس کی دن تن سے اڑادوں گا۔ حضرت ا بکراولاً حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے گئے، رخ انور سے چادر ہٹائی، مسانی کو سہ دیا اور طِبْتَ حيًا ميتًا کہتے ہوئے ہر تشریف لائے۔ حضرت ابھی لوگوں کو دھمکارہے تھے۔ حضرت ا بکر نے کہا کہ بیٹھ جاؤ، حضرت بیٹھے، اہی نازک وقت تھا، کسی کے حواس نے تھے۔ حضرت ا بکر ے ہوئے اور تقریر شروع کی کہ اے لوگو تم میں سے جولوگ محمد کی عبادت کیا کرتا تھا، وہ سن لے کہ محمد وفات چکے ہیں، اور جوکوئی اللہ کی عبادت کیا کرتا تھا، تو اس کا معبود حی لایموت ہے۔ پھر آپ نے ما محمد إلا رسول قد خلت من قبله الرسل اخیر ھی، مجمع یکا چو اٹھا، حضرت میں سکت رہی کہ ے رہ سکیں، لڑ اکر زمین گئے، اوراس طرح لوگوں کو یقین آ گیا کہ حضور کا وصال ہو چکا ہے۔

یہ ہے یارغار کی زگی کے لمحات، جس نے اسلام کے بعد سے لے کر، وفات نبوی کس جانثاری واولوا می کا ثبوت کیا۔ گویا کہ اپنی زگی کی دھن ہی، رسول اللہ سے وابستگی، وارفتگی کرلی تھی کہ لمحہ بھر کا فراق بھی کبھی گوارا کرسکے۔

حواشی

البدایہ والنہایہ ۔

سیرت ا اسحاق بحوالہ البدایہ والنہایہ ۔

د ان حسان شرح سف عید، ط بیروت، ص ، قافیۃ اللام، قصیدہ خیر البریۃ ۔

مذی ۔

مجمع الزوائد ۔

البدایہ والنہایہ ۔

مجمع الزوائد ۔

بخاری ۔

البدایہ والنہایہ ۔

ریخ طبری ، البدایہ والنہایہ ۔

، لِ حکمت کی جا گامزن ہوجائے.

ا عزیز بلگامی

”یقیناً... آسمانوں اور کرّہٴ ارض کی تخلیق میں اور... دشِ لیل و نہار میں اور...
بحر کی موجوں میں ڈولتی ہوئی سفر کشتی میں، جو کرّہٴ ارض کے باشندوں کے لیے منفعت
بخش ہے اور... آسمان کی بلندیوں سے اللہ نے جس بارش کو نازل فرمایا، جس کے ذریعہ اُس
نے زمین کو اس کے بے جان ہوجانے کے بعد دوبارہ زندگی دی اور... زمین میں حرکت
کرنے والے ہر نوع کے جانور دیے اور... ہواؤں کے گامی یا سست گامی کے ساتھ
چلنے، رُخ میں اور... آسمان اور زمین کے درمیان کسی ان کے معلق ہونے
والے آب دوش دلوں میں اور فرمان کر ضرورت مند انسانوں کے لیے پانی کا ایک
زائد منبع جانے میں الغرض، مذکورہ بالا سات قسم کے عام تجربے کے اِن قدرتی مظاہر
میں... اُن باشندگانِ زمین کے لیے یقیناً نشانیاں Signs اور Evidences ہیں جو عقل
رکھتے ہیں، منطق Logic یا Reasoning کی دولت سے مالا مال ہیں۔“

قرآنِ حکیم کی دوسری سورۃ کی ایک سوچو آیت میں درج یہ سات بظاہر عام قسم کے
مظاہرِ قدرت ہیں۔ لیکن اِن میں ایک شعور، صاحبِ عقل و دانش کے لیے غور و فکر کا بھرپور سامان
موجود ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ انسانی دماغ بے شمار صلاحیتوں اور قابلیتوں کا حامل ہے۔ اشرف
المخلوقات میں شمار اِنسان کے دماغ کو اس کے خالق نے ایک انتہائی بیش نعمت سے سرفراز کیا
ہے عرفِ عام میں Intellect کہتے ہیں۔ ہر انسان کو اچھائی اور برائی، نیکی اور بدی،
سیاہ اور سفید، سچ اور جھوٹ، حق اور باطل، اندھیرے اور اُجالے میں تمیز کرنے کی فطری صلاحیت
بخشی گئی جس کی کرنیں اِسی دماغ سے پھوٹتی ہیں۔ وہ انسان جو اپنی نظروں کے سامنے آرا منظر

کی ہر روشن شئے پر غور وفکر کرتے رہتے ہیں، جنہیں حالات کا تجزیہ کرکے اپنے لیے ایک لائحہ عمل یا line of Action متعین و مرتب کرنے، اِسے ایک رخ دینے اور اپنی تیز گامی یا سست گامی کے مابین ایک اعتدال برقرار رکھنے کا سلیقہ ہوتا ہے۔ ایسے انسانوں کو صاحبِ شعور، ذہین، Sensible یا Intelligent انسان کہا جاتا ہے۔ ایک ذہین انسان میں سوچنے، سمجھنے، سیکھنے، حقائق تک پہنچنے اور حالات کا تجزیہ کرکے نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ کسی بھی صورتحال کا پہلی مرتبہ کس طرح مقابلہ کیا جائے، خوشگوار یا ناخوشگوار حالات سے کیسے نمٹا جائے اور دوسری مرتبہ یہ پھر رونما ہوں تو کس طرح اِن سے نمٹنے کے طریقہ کار میں سدھار یا Improvement لائی جائے، کس طرح اپنے حواس خمسہ کے استعمال کے ذریعہ منزل کی طرف بتدریج پیش قدمی کی جائے، عمر کے اضافے کے ساتھ ساتھ برتاؤ، رویوں، میل میل اور جذب و انجذاب میں کس طرح مثبت تبدیلی لائی جائے، یہ اور اس نوع کے مراحل ہر ذہین انسان کی زندگی میں رونما ہوتے ہیں، جن کے درمیان سے وہ گزرتا ہی رہتا ہے۔ اِس میں کارفرما قوّتِ نافذہ دراصل اپنے لیے ایک بہتر مستقبل کی جستجو اور فکرمندی ہی ہوتی ہے۔ عام طور سے ذہانت اور حکمت یا Wisdom & Intelligence کے درمیان پائے جانے والے نازک سے فرق کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ حکمت یا Wisdom ایک باشعور، ذہین اور ایک معقول شخص کی ذہانت کی معراج ہے۔ مستقبل کے لیے فکرمندی کی انتہا ہے۔ غور وفکر کے سلسلے میں اس کی عرق ریزیوں کا ثمرہ ہے۔ یہ کتابِ ہدایت ہی ہے جو دونوں کے درمیان ایک واضح فرق کی لکیر کھینچ دیتی ہے اور بڑی ہی خوبصورتی کے ساتھ متاثر کن انداز میں پیش کرتی ہے۔ قرآنُ الحکیم میں جہاں بھی "اولوالالباب" کے الفاظ آئے ہیں ان سے "Wisdom یا حکمت کا استعمال کرنے والے"، "کل ماجرہ سمجھنے والے" اور "اپنی عقل کے دروازے کھلے رکھنے والے"، "ذہانت کی دولت سے مالا مال لوگ" ہی مراد لیے گئے ہیں۔

تاہم Wisdom کسی محدود یا مخصوص کیفیت کا نام نہیں ہے۔ یہ کسی کی نقالی یا Immitation کے ذریعہ پیدا کی جانے والی شئے بھی نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک ذہین انسان میں حالات کی مناسبت و اقتضا سے اُبھرتی ہے۔ یہ انسان کے شب وروز، اس کے طرزِ زندگی Life Style، اِس کے رویہ، اِس کے ردّعمل کے انداز، اسکے کردار و گفتار سے منعکس ہوتی ہے۔ ایک انسان اپنی ذہانت کے استعمال کے ساتھ جب اپنے رب کی کتاب سے اپنا رشتہ اُستوار اور مستحکم کرتا ہے تو کتابِ ہدایت کی آیات اُس کے اندرون و بیرون میں تثبیت کا ایک ایسا عمل Process جاری کر دیتی

ہیں جس سے نکھر کر انسان کی ایک نکھری ہوئی شخصیت اُبھرتی ہے جو باکمال ہوتی ہے اور لازماً وہ اپنے اِردگرد کے ماحول میں اُمید کی ایک کرن بن جاتی ہے۔ اُس کے نکھار اور کمالات کا یہ عالم ہوتا ہے کہ وہ اپنے اطراف میں بسنے والوں کے نفع کا سامان فراہم کرتی ہے اور وجہِ [illegible] بن جاتی ہے۔ اور یہی کمال حکمت کی دلیل ہوتی ہے۔ ایک intelligent اور باکمال شخص کو جو حکمت کی دولت کو پا چکا ہوتا ہے، ''خیر کثیر'' میسّر آجاتا ہے۔ درحقیقت ''خیر کثیر'' ایک ذہین آدمی ہی کی میراث ہوتی ہے۔ ظاہر ہے وہ اِس خیر کثیر کو مستحق بندگانِ خدا میں تقسیم کرنے سے کیسے رُک سکتا ہے؟

دوسری سورۃ کی دوسو اُنہترویں آیت اس حقیقت کی طرف واضح اشارہ کرتی ہے: ''وہ اللہ ہی ہے جو نواز دیتا ہے حکمت، دانائی اور Wisdom سے، جسے وہ چاہتا ہے اور جس کسی کو حکمت و دانائی عطا کی گئی تو اُسے Indeed خیر کثیر سے سرفراز کیا گیا اور اِن حکمت ودانائی سے لبریز نوازشوں سے لوگ نصیحت نہیں حاصل کرتے بجز اُن کے جو اپنی عقل کے دروازے کھلے رکھتے ہیں۔''

حکمت ودانائی اور عقلمندی ودانشمندی سے معمور اشخاص کے لیے کائنات کے ہر ذرے سے ایک خاموش اِشارے Signals مہیا ہوتے ہیں جو دانا اپنی دانائی کے ذریعے حاصل کرلیتے۔ اِن اشاروں سے ایک دانش مند خاموش رہنمائی اخذ کرتا ہے۔ اس لیے کہ وہ جس کتاب کی ہدایتِ ربانی کو اپنی زندگی کا رہنما بنا چکا ہوتا ہے، وہ کائنات میں بکھری ہوئی نشانیوں سے ہم آہنگ ہوتی ہے، کہیں کوئی ٹکراؤ نہیں، کہیں کوئی تضاد نہیں۔ چنانچہ وہ جب بھی اپنے خالق کی فراہم کردہ کتابِ ہدایت سے اپنے لیے احکامات کی روشنی حاصل کرے گا، اُس کی زندگی کے لیے ایک مثالی اور احسن راہ متعین ہوجائے گی، ساری کائنات اُس کی ہمنوا بن جائے گی، اُس کی زندگی بھی فکری تضادات ونظری ٹکراؤ سے پاک ہوگی، اِس راہ پر گامزن ہوکر وہ اپنی مغفرت کی جستجو کرے گا اور فی الواقع یہی اُس کی ذہانت، سمجھداری اور Wisdom کی دلیل بھی ہوگی اور تقاضہ بھی۔

اِس سلسلے میں اُنچالیسویں سورۃ کی اٹھارھویں آیت قابلِ توجہ ہے: ''جو بندگانِ خدا قولِ دانائی وحکمت کو توجہ سے سماعت کرتے ہیں، پھر احسن اور جامع Discipline کے ساتھ اِس کی اتباع کرتے ہیں، تو یہی لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی اور یہی لوگ ہیں جو اپنی عقل کے دروزے کھلے رکھتے ہیں۔''

تجربہ کہتا ہے کہ جب ایک ذہین انسان کتابِ ہدایت سے رشتہ اُستوار کرلیتا ہے تو اُس کی قابلیتوں اور [illegible] میں اضافہ ہونے لگتا ہے وہ انسانوں کے مجمع میں سب سے ممتاز [illegible]

د ئی دینے ہے، چاہے وہ بظاہر روایتی مذہبی آدمی کے حلیہ میں نظر آ ہو۔ اِس لیے کہ وہ اپنی
کی حدود سے ہر نکل کر، کتاب اللہ کی سے، حکمت کی حدود میں اپنے آپ کو دا کر
ہے۔ حالات کو Respond کرتے ہوئے، ان کا تجزیہ کرتے وقت، ان سے نتائج ا
کرنے کے دوران، لوگوں سے معا ت کرتے ہوئے وہ مسلسل حکمت ود ئی کی معیت و مدد
سے مستفید ہونے ہے۔ اپنے مالک و خالق کی راضی اور اسکی فت کا حقیقی خوف اُسے اپنی
ذ دار ں کی ادا میں کا انی سے ہم ر کرتا ہے۔ کیونکہ ربُّ العالمین کے حاضر و ظر
ہونے کا احساس ذہین اور Wise انسانوں کو مستقلاً راہِ را گا ن رکھتا ہے۔ اِن اصحاب کی
خصو ت کے رے میں چوبیسو سورۃ میں سینتیسو آ ی میں ہمیں ی واضح ملتی
ہے ''ا ہی حاملینِ عزم وارادہ اورا ہی صا بینِ ایمان اشخاص ہوتے ہیں جنہیں ان
کی تجارت اُن کی ی وفرو اور لین د ، ذکرِ الٰہی سے اور اللہ کے Presence کے
احساس سے ، اورنماز جیسی عبادتوں کے قیام سے، اور ز ۃ جیسے اعمالِ کیہ ی
Charitable Services سے کبھی غافل کرنے والی ہیں اور قلوب اور آنکھوں کو تلپٹ کر دینے
والے اُس غضب کے دن سے وہ ڈرتے لرزتے ز گی ارتے ہیں۔''

دوسروں سے اُمید وابستہ کرنے کے بجائے، اصحابِ حکمت و دانش، ں اِکٹھی
کرنے کے مواقع کو کبھی کھوتے۔ اپنے ہم ں کی ا کے کسی موقع کو، اپنے رب کی
رضا کی کسی Opportunity کو وہ تھ سے جانے دیتے۔ اِن مواقع کو وہ ا ا چیک
سمجھتے ہیں فوراً Cash کر جا چاہیے۔ حکمت و کے حامل ا ہی نکوکار بندے، اپنی
عبادتوں اور چیاریٹیز کے کا ئے سعادت کے ذریعہ اپنے رب کی قدردانی کے مستحق ہوں گے۔

آ میں ہم بخاری اور مسلم میں درج دو اہم احادی کرتے ہوئے اپنے ان کا
ا م کر گے ''وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ: لَا
حَسَدَ اِلَّا فِیْ اثْنَيْنِ رَجُل اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَهٗ عَلٰی هَلَكَتِه فِی الْحَقِّ وَ رَجُل اٰتَاهُ اللّٰه
الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِیْ بِهَا وَ يُعَلِّمُهَا'' بخاری و مسلم ترجمہ: ''حضرت ا سے روای ہے
کہ رسول اللہ اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسد رشک صرف دو آدمیوں کے سلسلے میں جا ہے
ای وہ شخص اللہ نے مال دی پھر اُسے حق کی راہ میں لٹانے کی توفیق بخشی، دوسرا وہ شخص اللہ
نے حکمت عطا کی تو وہ اُس کے مطا فیصلے کرتا ہے، اور لوگوں کو اِس کی تعلیم دیتا ہے۔''

ایک اور واقعہ بخاری میں ملتا ہے: ”وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: ضَمَّنِیَ النَّبِیُّ صَلّٰی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّم اِلیٰ صَدْرِہٖ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الْحِکْمَۃَ و فِیْ رَوَایَۃٍ عَلِّمْہُ الْکِتَابَ“ (بخاری)

ترجمہ: ”حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا: یا اللہ! اس کو حکمت عطا فرما، ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ”اس کو کتاب (قرآن) کا علم دے۔“ اسی طرح ترمذی کی ایک روایت ہے کہ ابن عباسؓ نے کہا: ”دَعَالِی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلّٰی اللّٰہُ عَلَیہِ وَ سَلَّمَ اَنْ یُّوتِیَنِی اللّٰہُ الْحِکْمَۃَ مَرَّتَیْنِ“ ترجمہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے دو مرتبہ دعا کی کہ اللہ مجھے حکمت عطا فرمائے۔“

کہیں ایسا نہ ہو کہ گم ہو گمراہی کے رستوں میں

نظر ...، مآلِ حکمت کی جانب گامزن ہو جائے

ع ب

مصلح کے بھیس میں مفسد ملکی اور عالمی ''دہشت''

از: ڈاکٹر ایم، اے فاروقی
۸۴- گاندھی روڈ، دہرہ دون

آج کی دنیا میں سب سے زیادہ مہنگا امن اور سکون کی کمیابی ہے۔ یہ مسئلہ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی کے مصداق روز بروز سنگین ہوتا جارہا ہے تو اس کی وجہ کیا ہے؟ مرض کی تشخیص غلط ہے یا معالج ٹھیک نہیں ہے یا معالج کی سمت ٹھیک نہیں ہے؟ معاملہ کیا ہے؟

ملکی اور بین الاقوامی منظر نامہ میں گذشتہ دنوں دو بڑے اہم واقعات ہوئے:

۱- یمن کی راجدھانی صنعاء سے خبر آئی کہ یمن نے اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد سے تعلق رکھنے والے ایک دہشت گرد گروپ کی گرفتاری کا اعلان کیا ہے۔ یمنی صدر علی عبداللہ صالح نے بتایا کہ ۱۵/۱۱/۲۰۱۲ء کو گرفتار کیے گئے مجرمین کے تعلقات اسرائیلی انٹلیجنس سروس کے ساتھ ہیں اور اُس کو جلد عدالتی کارروائی کے لیے پیش کردیا جائیگا۔ یمنی صدر کا اشارہ راجدھانی صنعاء میں امریکی سفارت خانہ پر حملہ میں ملوث افراد کو حراست میں لیے جانے کی طرف تھا، ستمبر ماہ کی ۱۸ تاریخ کو ہونے والے اس حملہ میں ۱۸ افراد مارے گئے تھے۔ (راشٹریہ سہارا، اردو ۱۶/۱۱/۲۰۱۲ء)

یہ خبر جتنی اہم تھی اتنی ہی مستعدی کے ساتھ اسرائیل حامی میڈیا کے ذریعہ دبا دی گئی۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ایک مسلم ملک میں اسرائیلی ایجنٹ مسلم نوجوانوں کو استعمال کرکے اپنے سب سے قریبی مددگار، ہمدرد اور سرپرست امریکہ کے سفارت خانہ پر حملہ کیوں کرواتا ہے؟ کچھ فوری وجوہات ہوں گی لیکن ایک مستقل وجہ امریکی عوام اور حکومت میں مسلم دنیا کی Booster doses مقوی خوراک دیتے رہنا ہے کہ وہ اسرائیل عرب تنازعہ کو منصفانہ طور پر سلجھانے کی سوچیں بھی نہیں۔ یہیں پر یہودی عیاری و مکّاری سے بھی سبق لینا چاہیے کہ وہ دنیا بھر میں کتنا اثر و نفوذ رکھتے ہیں اور کتنا منظّم طریقہ سے مکّارانہ چالیں چلتے ہیں۔ کیونکہ بین الاقوامی میڈیا پر بھی صیہونیوں کا ہی قبضہ ہے اس لئے وہ بھی اتنی اہم خبر کو دبا گئے۔

اس کی ▯واں خبر ہمارے ملک سے آج کل دن رات موضوع بحث ہے وہ ہے مختلف انسا سے▯ دشمن ▯ دھماکوں میں یہود▯اں کے نسل▯داروں کی تنظیم کی ▯اہِ را ▯ اور▯ لواسطہ شمولیت کی ہے۔ آج حالات کی چاہے جو ▯ری رہی ہو ▯ مظلوموں کا لہو قاتلوں کے▯تھ سے ▯ د▯ یا جانے لگا ہے تو عقل▯یں حیران ہیں اور حواس ماؤف ہیں کہ کیسے کیسے▯ کباز سادھو، سنت، دیش بھگت، مٹھ، مہنت ▯ گناہوں کے خون کی ہولی بھی کھیلتے رہے اور ▯موں اور ▯ گناہ نوجوانوں کو قتل وغارت گَ▯ی میں ملوث کرا کران کو اور اہل خا▯ان کو عذاب میں بھی ▯ کیے رہے۔ اور اپنے آپ دہشت گ▯دی کے خلاف بند اور ہڑ▯لیں بھی کرواتے رہے۔ جس نسل ▯ ▯، نفرت کی ▯ چارک تنظیم کی سر▯ ▯ میں یہ کھیل کھیلا جا▯ ہے اس کا یہ کھیل ▯ ▯ ہے۔ مشہور▯ ریخ داں ا▯یش مشرا Amrish Mishra اور سبھاش کا▯ ڈے نے لکھا ہے کہ سنگھ ▯▯ ار کا یہ کردار ▯ ▯ ہے۔ آئی بی ایس افسر راجیشور▯یال ہوم سکریٹری آف ▯ ▯ کی ▯▯▯▯ء میں شائع شدہ کتاب ''اے لائف آف آور▯ س'' A Life of our times ''. ▯ فرقہ وارا▯ تناؤ اپنے عروج ▯ تھا تو و▯ ▯ ان رینج کے D.I.G. ▯. ▯ .ایل▯لی رازدارا▯ طور▯ میرے گھر آئے۔ ان کے ساتھ ان کے دو افسران بھی تھے جو اپنے ساتھ دو اسٹیل کے ▯ ے▯ ▯ بھی لائے تھے۔ اُن ▯ اں میں اُن سارے منصو▯اں کے د▯ و▯ ی ثبوت موجود تھے جس کی بنیاد▯ اس صو▯ میں مجرما▯ کارروائیاں انجام دینے کی سازش رچی گئی تھی۔ اُن ▯ اں میں ▯ری ▯رت اور ▯وارا▯ ▯ حیت کے ساتھ تیار کیا گیا ہر شہر کا بلیو▯ ▯ موجود تھا جس میں اس ▯ ے خطہ کے مسلم علاقوں اور آ▯ د▯اں کی وضا ▯ کے ساتھ نشا▯ہی کی گئی تھی۔ اس کے علاوہ اُس میں مختلف علاقوں ▯ ▯ پہنچنے اور ان علاقوں میں مجرما▯ افعال کو انجام دینے کے ▯رے میں ▯ ہد▯ یات درج تھیں۔ میں ان ثبوتوں کو لے کر وز▯ اعلی گوو▯▯ھ پنت کے▯س گیا▯ ▯لی نے بند ▯ ے میں تمام د▯ و▯ ی ثبوت اور ر▯رٹ ▯ کی۔ آر.ایس.ایس آفس ▯▯ وقت مارے گئے چھا▯اں کے نتیجہ میں ہی یہ سنگین سازش منظر عام ▯ آئی۔ اور اس کا پلاٹ تنظیم کے ▯ یموکی نگرانی میں اور ان کی ہدا▯ ▯ تیار کیا گیا تھا۔▯لی اور میں نے اصل مجرم گول والکر کی فوری گَ▯فتاری کے لیے▯ ▯ و ▯ جو کہ اُس وقت علاقہ میں ہی موجود تھے ▯ پنت نے اسے کابینہ میں رکھنے کا فیصلہ کیا، کانگریس کے ا▯ ر آر ایس ایس سے ہمدردی رکھنے والے کافی لوگ موجود تھے۔ خود قانون ساز کونسل کے سر▯ اہ آتما گوو▯کھ▯ آر ایس ایس کے ہمدرد تھے اور ان کے بیٹے بھی آر ایس ایس کے ممبر تھے۔ گول والکر کو ▯فتار کرنے کے بجائے ا▯ خط ان کو ▯ گیا تھا جس میں حاصل کردہ ان ثبوتوں کی بنیاد▯ اُن سے صفائی مانگی گئی تھی۔ ▯ کہ متوقع تھا گول والکر

موقع کا فا ہ اٹھاتے ہوئے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے اس کے بعد مختلف علاقوں میں چھاپہ مارتی رہی ۔ ا یش مشرا، راشٹریہ سہارا، ر ء

اس کے علاوہ Alexnon Tunzdmann نے اپنی "The Indian summer, Secret history of the end of an empire" میں اگست، ستمبر، اکتو ء میں فرقہ وارا فسادات کی قلعی کھولتے ہوئے لکھا ہے ''یہ فسادات بلکہ آر. ایس ایس کے ذریعہ ریٹا ڈ فوجی افسروں و عملے کے ذر سازش کر کے نومولود ہندو نی کے سیکولر کردار کے خلاف ا بغاوت وشورش تھی۔ پنڈت واور سردار پٹیل دونوں ہی اس سازش سے واقف تھے۔ و نے اس وقت سردار پٹیل کو وار دی تھی کہ وہ اس رے میں فوری فیصلہ کر کہ وہ کس کے ساتھ ہیں۔ تبھی پٹیل نے فوج کو مسلمانوں کے خلاف اُس بغاوت وشورش کو جس میں لاکھوں مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا تھا کچلنے کی ذ داری سونپی تھی۔ ایضاً

آج جبکہ ا رپھر اس نسل تنظیم کی نی سازشوں کو د دیکھ، سن رہی ہے تو ا دینے کی بھی کوشش کی جارہی ہے کہ شا یہ چند دنوں پہلے کی ت ہے اور شا یا م د مسلم دہشت دی کا ردعمل ہے اور دراصل یہ تنظیم ہندو ان کی سچی خیر خواہ ہے۔ یہ تو چندا لوگ ہیں جو مسلح افواج میں پکڑے گئے ہیں ور ن دہ فوج لکل جانبدار اور سیکولر ہے۔ او کی مثالوں سے واضح ہو ہے کہ معاملہ اتنا سیدھا سادھا اور آسان ہے۔ اس نسل وہ کے ارادہ ہمیشہ سے ری ملکی انتظامیہ کنٹرول حاصل کرنے کے تھے اسی لیے ا ں نے ء میں ہی راشٹر بھونسلے اسکول کی بنیاد رکھی۔ سے آج ں سے ھے ہوئے لاکھوں طلباء کے ذہنوں کو زہر آلود کر کے مسلم د بھری گئی۔ اس کا اہم نعرہ ''ہندوؤں میں ملٹری ذہن پیدا کر اور ملٹری کو ہندو بن ہے'' اور اسی کے تحت وہ مستقل عمل پیرا ہے۔ A.T.S. راشٹر کی حالیہ کے افشاء کے بعد سے صرف ا خطر ک سازش کو شائع ہونے گیا ہے ا ہے کہ حکومت کو اس کا علم ہو۔ ہندو ان کو ہندو راشٹر بنانے کا خواب دیکھنے والے ء سے ہی منظّم پلان کے تحت آگے ھ رہے ہیں۔ او کے دونوں مستند حوا اس گواہ ہیں۔ آر ایس ایس ا تنظیم ہے ا ذہنیت ہے جو ہر موجود ہے۔ اپنی سا محنت اور انتھک و کے بعد انتظامیہ کا کوئی بھی رکن اس کی فت سے ہر ہے صرف درجات کا فرق ہوسکتا ہے۔ عدلیہ اور مسلح افواج سے حساس اور کلیدی ادارہ ہیں ں بھی جو حال ہے اس کی علامت و و سے ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ لیفٹینٹ کر وہت ا واحد کیس ہے فانی تو دہ کا او

سرا ہے اس کا فیصلہ کرنے کے لئے آج سے سال پہلے /ا یل ء کے آؤٹ لک (Out look) کی اشا کی مندرجہ ذیل اقتباسات غور کر ضروری ہے

''ہندوتو کے لئے ہندو نی افواج کے اعلیٰ افسروں میں ہمدردی اُس سے بہت ز دہ ہے جتنا سوچا جا ہے۔ اسکے شواہد موجود ہیں کہ فوج کی داغ و وردی کے نیچے ز انی کچھا موجود ملتا ہے۔ ا ا ہی چلتا ر تو جلد ہی وہ وقت آئیگا کہ نوکر شاہی کی طرح فوج بھی زدہ ہوجا اور ہر سی تبدیلی کے ساتھ فوج کے جنرل بھی لے جائیں گے۔ سا سر اہ بحریہ ایڈ ل جے.جی دکرنی

فوج ا ا از ہونے کے لیے آر ایس ایس نے بھرتی کے خواہش مند طلبا، کی مدد کے ا کے ساتھ ساتھ خود اپنی ذیلی تنظیموں کی نگرانی میں چلنے والے ملٹری اسکول بھی کھلوائے ہیں۔ راشٹر میں خود آر ایس ایس کے ہیڈ کوار میں ای ملٹری اسکول چل جا ہے۔ اس کے علاوہ راشٹر کے میں سے اضلاع میں ملٹری اسکول قائم کئے جا چکے ہیں۔ میں صرف خوا کے لئے اسکول قائم کیا گیا ہے۔ رانی ئی موچھی سینک شالا کے کما کر آ گھو کھلے کا کہنا ہے کہ ''ہم نے اپنے کورس میں N.D.A اور R.S.S کے ملٹری اسکول 'ز' کو دھیان میں ر ہے۔ طلبہ یہاں پتی جا، د الی، نورا ی مناتے ہیں سلوک ھتے ہیں اور کا جاپ کرتے ہیں اس میں فرقہ وار ی ہے۔ لاکھ سے زا سبکدوش فوجیوں کی ر اں اور ئل کا استحصال کرتے ہوئے ان کے ''روا سینک یشد'' کا قیام ی مسجد کی شہادت کے بعد ء میں میں ہی ہوا۔ اب ء اس کے سے زا ا ں میں شاخیں قائم ہوچکی ہیں۔ P.S.S.P کے جنرل سکریٹری ر کما ر کے ایل گپال کہتے ہیں کہ سابقہ فوجیوں کی مات کو استعمال کرنے کا طریقہ نوجوانوں کی آر.ایس ایس اور ملٹری اسکولوں میں بیت کر ہے۔ ان تمام کوششوں کے درمیان میں ہی یہ خبر بھی سامنے رہے کہ صرف ء میں ہی ریٹا ڈ جنرلوں نے قاعدہ B.J.P میں شمولیت ا رکی' اس کے علاوہ B.J.P کے عاملہ کے اجلاس میں فوج کے سر ن کی شمولیت، کی نیشنل ڈیفنس اکیڈمی کی تقری میں جنرل وی. . ملک کا ڈائس ل ٹھاکرے کے ساتھ موجود ہو کس ت کی طرف رہنمائی کرر ہے ہیں؟ آؤٹ لک /ا یل ء

فتار شدہ مبینہ ہندو دہشت دوں سے چھ چھ سے انکشاف ہوا کہ ا ں نے صرف ای ر میں – نوجوانوں کو دہشت دی کے طریقہ ئے۔ یہ بھی قبول کیا گیا کہ صرف احمد

آباد کے ایک آشرم میں ہی اب تک سے زائد ہندو نوجوانوں کو دہشت گردی کی تعلیم دی گئی (انڈین ایکسپریس ، راشٹریہ سہارا)

تو یہ کہنا ایک طرح سے شتر مرغی رویہ اپنانے جیسا ہوگا کہ یہ حالیہ دنوں میں پیدا ہوئی ہندو مسلم دہشت گردی کا یہ ردِّ عمل ہے، جبکہ ء کا حال اوپر بیان ہو چکا اور آر ایس ایس کے سیاسی سربراہ گول والکر کی سازش سے پردہ I.C.S افسر راجیشورد یال پہلے ہی پردہ اٹھا چکے ہیں۔اور ء میں اس تنظیم کے رول اور ان کے ساتھ اس وقت کے فوجی افسروں کے رول پر ریٹائرڈ Alexnon Tunzelmann نے اپنی کتاب میں روشنی ڈالی ہے۔(امیش مشرا، راشٹریہ سہارا ء)

ابھی تک پکڑے گئے موجود اور سابقہ فوجی افسران کی پوچھ تاچھ سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ فوج کے ہر شعبہ میں اس طرح کی ذہنیت سرایت کرگئی ہے۔کرنل پروہت تو خصوصاً ملٹری خفیہ معلومات کے اہم شعبہ سے وابستہ تھا۔

”ء میں ممبئی سے کلومیٹر دور ناسک میں راشٹر ملٹری فاؤنڈیشن نامی تنظیم نے ٹریننگ کیمپ منظّم کیا۔جس کا سربراہ کرنل جینت چتلے تھا۔اسی موقع پر ہندو نوجوانوں کو کمانڈو اور خودکش بمبار بننے کی تربیت دی گئی۔اس تقریب میں لیفٹیننٹ جنرل پی این ہون مہمان خصوصی تھے۔جو ریٹائر ہونے سے قبل ناردرن کمانڈ کے کمانڈنگ آفیسر تھے۔بعد میں یہ شیوسینا کے آرمی ونگ کے سیل کے چیف بنے تھے۔کرنل جینت چتلے کا تعلق بھی پونے سے ہے۔اسے ء میں گرفتار کیا گیا تھا۔بعد میں ان کے خلاف تمام کارروائی ختم کردی گئی۔یہاں تک کہ وزیر اعلیٰ ولاس راؤ دیش مکھ نے کرنل چتلے اور ان کی ملٹری فاؤنڈیشن کو کلین چٹ دے دی۔لیکن مالیگاؤں دھماکہ کیس میں کرنل چتلے کے ہی تربیت یافتہ فوجی افسر کرنل پروہت کے حراست میں لیے جانے سے ء میں حکومت مہاراشٹر کی نرمی اور غفلت آمیز رویہ پر انگلی اٹھائی جاسکتی ہے۔“ (سعید حمید راشٹریہ سہارا، ء)

یمن اور ہندوستان کے درمیان بہت ساری باتیں مشترک ہیں ء کو ٹی وی ہندی نے صبح 6.30 کی نشریات میں بتایا کہ کرنل پروہت نے بتایا کہ اس نے مسلم نوجوانوں کو بھی اسی طرح کی مدد کی ہے۔یہودی خفیہ ایجنسی مسلمان نوجوانوں کے ذریعہ اپنے ہی دوست ملک کے آفس پر حملہ کرواتی ہے اور ہمارے یہاں بھی ایسا ہی سازشی روپ دیکھا جارہا ہے۔ایسا کیوں؟؟

٭ ٭ ٭

تحقیق الکلام فی بیان السبب لوجوب الاحکام

از　رشیداحمد فریدی
مدرسہ مفتاح العلوم، راج، سورت

وجوب فی الذمہ قبل ایام النحر کی تائیدات

مذکورہ بالا دلائل سے یہ حقیقت آشکارا ہوجاتی ہے کہ قربانی کا وجوب فی الذمہ غنا سے ہے وقت نحر پر موقوف نہیں ہے۔ مزید تائید کے لیے اضحیہ کے مستحبات پر مشتمل صاحب بدائع کا کلام نقل کیا جاتا ہے۔

(فصل) اما الذی هو یستحب قبل التضحیة فیستحب (۱) ان یربط الاضحیة قبل ایام النحر بایام لمافیه من الاستعداد للقربة واظهار الرغبة فیها فیکون له فیه اجر وثواب (۲) وان یقلدها (۳) ویجلّلها اعتبارًا بالهدایا والجامع ان ذلك یشعر بتعظیمها قال الله ومن یعظم شعائر الله فانها من تقوی القلوب (٤) وان یسوقها الی المنسك سوقا جمیلا لاعنیفا (٥) ولا یجرّ برجلها الی المذبح کما ذکرنا فی کتاب الذبائح ولو اشتری شاة للاضحیة فیکره (٦) ان یحلبها (۷) او یجزّ صوفها فینتفع به لانه عیّنها للقربة فلا یحل له الانتفاع بجزء من اجزائها قبل اقامة القربة فیها کما لا یحل له الانتفاع بلحمها اذا ذبحها قبل وقتها ولان الحلب والجزّ یوجب نقصا فیها وهو ممنوع عن ادخال النقص فی الاضحیة... ویکره (۸) بیعها لما قلنا... ویکره (۹) له رکوب الاضحیة (۱۰) واستعمالها (۱۱) والحمل علیها (بدائع:٥/۷۸)

یہ مستحبات خاص کر ایام نحر سے چند دن قبل جانور کا تعین کیونکہ غنی کا اضحیہ متعین کرنا ایجاب من نفسہ نہیں بلکہ ذمہ فارغ کرنے کے لیے ہے۔ بخلاف الغنی لان الاضحیة علیه بایجاب الشرع ابتداء فلا یکون شراؤه للاضحیة ایجابا بل یکون قصدًا الی تفریغ ما فی ذمته

(کما مرّ) اور روایات دلالت کرتے ہیں کہ نفسِ اصل وجوب وقت سے پہلے سے موجود ہے۔ اور عموماً ایسا ہی ہوتا ہے کہ دِنوں، ہفتوں اور بعض مرتبہ مہینوں پہلے جانور خرید کر اس کے ساتھ رغبت ومحبت کا رشتہ قائم کرتے ہیں اور تعظیم واحترام کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ روایتِ بالا کا یہ معمول اپنے اپنے علاقہ میں بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔

قربانی قربۃ موقتہ ہے

قربانی کی دوسری حیثیت یہ ہے کہ وہ بالاتفاق قربۃ موقتہ ہے یعنی اس کی ادا مخصوص ایام و اوقات کے ساتھ خاص ہے اس اعتبار سے قربانی دیگر واجباتِ موقتہ نماز، روزہ اور حج کے مشابہ ہے اور موقتات میں وقت بالاجماع شرطِ ادا ہے۔

و كل موقّت فالوقت شرط لاداءه لانه لايتحقق بدونه (تقرير و تحبير:۲/۱۷۵)

الوقت شرط لاداءها على ما عرف في اصول الفقه (فتح القدير:۹/۵۰۷، کتاب الاضحیہ)

وقت ''شرطِ ادا'' کی تحقیق

اور یہ صرف احناف ہی نہیں بلکہ دیگر ائمہ کے نزدیک بھی جن کے یہاں قربانی سنت مؤکدہ ہے بلکہ نفل قربانی کے لیے بھی وقت شرط ادا ہے۔ البتہ اس کی ابتداء وانتہاء میں اختلاف ہے۔

واما شروط صحتها فمنها السلامة من العيوب... ومنها الوقت المخصوص فلا تصح اذا فعلت قبله او بعده وفى بيانه تفصيل المذاهب.

الحنيفة قالو: يدخل وقت الاضحية عند طلوع فجر يوم النحر وهو يوم العيد ويستمر إلى قبيل غروب اليوم الثالث وهذا لايختلف فى ذاته بالنسبة لمن يضحى فى المصر او يضحى فى القرية ولكن يشترط فى صحتها للمصرى ان يكون الذبح بعد صلاة العيد.

المالكية قالو: يبتدئ وقت الاضحية لغير الامام فى اليوم الاول بعد تمام ذبح الامام ويبتدئ وقتها للامام بعد الفراغ من خطبته بعد صلاة العيد او مضى زمن قدر ذبح الامام اضحيته ان لم يذبح الامام ويستمر وقتها لآخر اليوم الثالث ليوم العيد ويفوت بغروبه.

الحنابلة قالوا: يبتدئ وقت ذبح الاضحية من يوم العيد بعد صلاة العيد فيصح الذبح بعد الصلاة وقبل الخطبة ولكن الافضل ان يكون بعد الصلاة والخطبة... واذا كان فى جهة لايصلى فيها العيد كالبادية واهل الخيام ممن لاعيد عليهم فان وقت الاضحية يبتدئ فيها بمضى زمن قدر صلاة العيد... وآخر وقت ذبح الاضحية اليوم الثانى من ايام التشريق فايام النحر عندهم ثلاثة يوم العيد ويومان بعده.

الشافعية قالوا: يدخل وقت ذبح الاضحية بعد مضى قدر ركعتين وخطبتين بعد طلوع الشمس يوم عيد النحر وان لم ترتفع الشمس قدر رمح ولكن الافضل تاخيره إلى مضى ذلك من ارتفاعها ويستمر إلى آخر ايام التشريق الثلاثة. (الفقه على مذاهب الاربعة:۱/۷۲۱)

بجز امام شافعیؒ کے سب کے نزدیک انتہائے وقت تیسرے دن کا غروب ہے اور ابتدائے وقت سوائے امام اعظمؒ کے سب کے نزدیک تقریباً نمازِ عیدالاضحیٰ کے بعد شروع ہوتا ہے اس میں شہری و دیہاتی کا کوئی فرق نہیں ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک اصل وقت تو مکلفین کے حق میں صبح صادق سے ہی شروع ہوجاتا ہے البتہ ذبح فی المصر کے لیے فراغ من صلاۃ العید شرط ہے۔

صلاۃ عید ذبح فی المصر کی شرطِ صحت ہے

ثم يختص جواز الاداء بايام النحر وهى ثلاثة ايام عندنا قال عليه الصلاة والسلام ايام النحر ثلاثة افضلها اولها فاذا غربت الشمس من اليوم الثالث لم تجز الاضحية بعد ذلك. (مبسوط:۹/۱۲)

ثم اول وقت التضحية عند طلوع الفجر الثانى من يوم النحر الا ان فى حق الامصار يشترط تقديم الصلاة على الاضحية فمن ضحّى قبل الصلاة فى المصر لاتجزيه لعدم الشرط لا لعدم الوقت ولهذا جازت التضحية فى القرى بعد انشقاق الفجر ودخول الوقت لايختلف فى حق اهل الامصار والقرى وانما يختلفون فى وجوب الصلاة فليس على اهل القرى صلاة العيد. (مبسوط:۱۰/۱۲)

فلا يجوز لاحد ان يضحّى قبل طلوع الفجر الثانى من اليوم الاول من ايام النحر ويجوز بعد طلوعه سواء كان من اهل المصر او من اهل القرى غير ان للجواز

فی حق المصر شرطاً زائدا وهو ان یکون بعد صلاة العید لایجوز تقدیمها علیه عندنا. (بدائع:۵/۷۳)

شہر میں قر□نی □ ہونے کے لیے □ۃ عید کی ادا □ دوسری اہم شرط ہے حتی کہ نماز سے قبل ذبیحہ اضحیہ □ کہلائیگا۔ ان اول نسکنا فی هذا الیوم الصلاة□م الاضحیة فمن ذبح قبل الصلاة فلیُعد ذبیحته ومن ذبح بعد الصلاة تم نسکه واصاب المسلمین. (مبسوط:۱۲/۱۴)

گو□یا شہر میں نماز عید کے بعد وقت شروع ہو□ ہے لہٰذا نماز سے قبل ذ□ کر□ ا□ ہے جیسے صبح صادق سے پہلے ذ□ کر□۔

غالبًا اسی وجہ سے بعض فقہاء کے کلام میں عبارت اس طرح ہے۔ اول وقتها بعد الصلاة ان ذبح فی المصر ای بعد صلاة العید یوم النحر وبعد طلوع فجر یوم النحر ان ذبح فی غیره. (شرح وقایه:۴/۳۹)

وقت شرط اور سب□ دونوں کا جامع ہے

بہرحال ائمہ اربعہ کے□ د□ی□م نحر مطلق قر□نی کے لیے شرط اداء ہے۔ اور وا□ □ قر□نی کے لیے واجبات موقتہ میں سے حج اور □ کو چھوڑ کر یعنی نماز، روزہ کے وقت کی طرح بعینہ اسی وقت کو شرط اداء کے ساتھ وجوب اداء کا سب□ بھی قرار د□یا گیا ہے، لہٰذا وقت دو حیثیتوں کا جامع ہوا۔

لاتجوز قبل دخول الوقت لان الوقت کما هو شرط الوجوب فهو شرط جواز اقامة الواجب. (بدائع:۵/۷۳)

ولا نزاع فی سببیّة ذلك ومما یدل علی سببیة الوقت امتناع التقدیم علیه کامتناع الصلاة. (بنایه:۱۱/۳)

فان قلت جعلت الوقت سببًا فکیف یکون شرطاً قلتُ هو سبب للوجوب وشرط للاداء (عنایه علی هامش الفتح:۱/۲۱۶)

وقد یجامع الشرط السبب مع اختلاف النسبة کوقت الصلاة فانه شرط بالنسبة إلی الاداء وسبب بالنسبة إلی وجوب الاداء. (تقریر:۲/۱۰۲)

اور موقتات کی اداء جس طرح قبل الوقت □ □ ہے اسی طرح وقت کے بعد بھی □ □ ہے بلکہ □ء لازم ہوتی ہے۔

ولم يقل احد بصحة اداء الموقتات بعد مضى وقتها... فان التضحية اراقة الدم وهى انما تقبل فى وقت الاداء لابعده وانما الذى يلزم بعده قضاء ها (فتح القدير:۵۰۷/۹)

اما بعد مضى ايام النحر فقد سقط معنى التقرب باراقة الدم لانها لاتكون قربة الا فى مكان مخصوص وهو الحرم او فى زمان مخصوص وهو ايام النحر.(مبسوط:۱۴/۱۲)

... ويفوت بمضى الوقت فلا تجب عليه بمنزلة الجمعة (هدايه آخرين:۲۴۴)

قربانی کی ، اور سے مشابہت

صا ب ہدایہ کے بمنزلة الجمعه کہنے سے چند امور کی طرف اشارہ ہوا

ای یہی جو او مذکور ہوا یعنی وقتِ ادائے کے لیے شرط ہے اور کے وجوب کے شرائط دوسرے ہیں اسی طرح صحۃ اضحیہ کے لیے وقت شرط ادا ہے اور وجوب فی الذ کے شرائط دیگر ہیں۔

وقت کے اعتبار سے اصل فر ظہر ہے سید الا م کی خاص شان واہمیت کے نظر بجائے ظہر کے ۃ کے ذریعہ فر کی ادا کافی سمجھی گئی ان اصل الفرض هو الظهر فى حق الكافة... الا انه مامور باسقاطه باداء الجمعة (ھدایہ:۱۷۰/۱) اسی طرح قربانی حق مالی ہونے کی وجہ سے اصل وظیفہ تصدق ہو چاہئے تھا م اضحیہ کی خاص شان کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنین کی ضیافت ہوتی ہے بجائے تصدق کے اراقۃ الدم کو قائم مقام کر گیا۔ کما مرّ ائع،حسامی

وقت ر جانے ادائے فوت ہوگئی اب ادا ہوسکتی اسی طرح م نحر ر جانے سے اراقۃ الدم سے قر ادا ہوگی ولا سبيل إلى التقرب بالاراقة بعد خروج الوقت (بدائع:۶۸/۵ مبسوط: ۱۴/۱۲)

وقت ر جانے کے بعد ، بمثل معقول ہے جیسے نماز پنج گا میں اور بمثل معقول ہے جیسے روزہ کی ، فدیہ سے بلکہ وقت کا جو اصل فر تھا یعنی ظہر اس کی ، کی جاتی ہے۔ اسی طرح م نحر ر جانے کے بعد ، بمثل معقول ہے اور علی الا ق بمثل معقول ہے بلکہ غنا کی وجہ سے اصلاً جو حکم عا ہے یعنی تصدق وہی حکم ذ میں قی رہتا ہے۔

وقد تقرر ان القضاء قد يكون بمثل معقول كالصلاة للصلاة وقد يكون بمثل غير معقول

كالفدية للصوم و ثواب النفقة للحج وعدّوا الاضحية من القسم الثانى وقالوا ان اداء ها فى وقتها باراقة الدم وقضاء ها بعد مضى وقتها بالتصدق بعينها وبقيمتها (تکملہ فتح:۹/۵۰۷)

لاتقضى بالاراقة لان الاراقة لاتعقل قربة وانما جُعِلتُ قربة بالشرع فى وقت مخصوص فاقتصر كونها قربة على الوقت المخصوص فلا تقضى بعد خروج الوقت ثم قضاء ها قد يكون بالتصدق بعين الشاة حيةً وقد يكون بالتصدق بقيمة الشاة (بدائع:۵/۶۸)

قبل از وقت قربانی نہ ہونے کی وجوہات

مذکورہ تفصیل سے بخوبی معلوم ہوگیا کہ شخص یوم نحر سے قبل قربانی اس لیے نہیں کرسکتا کہ وقت شرطِ اداء ہے اور تقدم المشروط على شرط الصحة جائز نہیں ہے۔

قربانی قربۃ معقولہ ہے اس لیے اس کی ادا وقت کے ساتھ مقید ہے قبل از وقت جائز ہے اور وقت کے بعد۔ کما مر.

وقت سبب وجوبِ اداء بھی ہے اور سبب سے مقدم نہیں ہوسکتی قربانی وقت وجوبِ اداء سے پہلے جائز نہیں اور یہی قیاس کا تقاضہ بھی ہے۔ غالبًا اسی وجہ سے حسن بن زیادؒ اور امام مالکؒ صدقۃ الفطر اور زکوۃ میں وقتِ وجوب اداء یعنی صبح یوم الفطر اور حولانِ حول سے قبل اداء کو جائز نہیں کہتے ہیں۔ چونکہ خلاف قیاس نص سے ادائے زکوۃ قبل حولان الحول اور صبح یوم الفطر سے پہلے ادائے صدقہ ثابت ہے اس لیے ائمہ ثلثہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ جوازِ تقدیم کے قائل ہیں۔ (بنایہ)

وقت سے پہلے قربانی نہ ہونے کی وجہ کے حق میں بھی وہی ہے جواوپر مذکور ہوئی کہ یہ کہ کاذ بھی ل لوا. ہی ہوا ہے۔

تعقب الفريد على تخصيص الوجوب بصبح العيد

مذکورہ تفصیلات سے یہ چند امور محقق ہوئے اصلِ وجوب نفسِ وجوب کا ثبوت مکلّف کی صفات پر موقوف ہے وجوبِ اداء یعنی فرضیت و وجوب خطابِ الٰہی کے ذریعہ مختص ہے اوقاتِ معینہ کے ساتھ سبب کے تکرار و تعدد سے وجوب مکرر رہتا ہے قربانی مالی عبادت ہے اور اس کے نفس وجوب کی علت بالاتفاق یعنی ملکِ نصاب ہے قربانی کے وجوب اداء کا تعلق اضحیہ جانور سے ہے کہ مکلّف سے اور اداء کے لیے وقت کا اعتبار

محلِ اداء کے لحاظ سے ہے کہ آئندہ مفصل آ ہے۔

اب اس کے بعد موقف دیے گئے فتاویٰ حظہ فرمائیں۔

دارالعلوم کراچی کا ی

رشعبان ھ میں دارالافتاء کراچی کستان سے قرنی سے ا ی ی گیا جس اب افتاء کے دستخط بھی ہیں یہ ی رسا ا غ'' کراچی فروری ء میں شائع ہوا۔

متنِ ی کی عبارت یہ ہے

الجواب حامدا ومصليًا قرنی کے نفس وجوب کا سب وقت ہے جو کہ م النحر کے طلوع صبح صادق سے شروع ہوکر رہو ریخ کے غرب آفتاب ہے اور '' '' یعنی مالک نصاب ہو یہ شرط وجوب ہے اور مثلاً شہری کے حق میں قرنی کا نمازِ عید کے بعد انجام دینا یہ شرط اداء ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ م النحر کے طلوع صبح صادق سے پہلے قرنی کا سرے سے وجوب ہی ہو کہ نماز ہے کہ وقتِ نماز دا ہونے سے پہلے نماز فرض ہی ہوتی لہٰذا ا کسی نے وقت دا ہونے سے پہلے نماز اداء کی تو فرض ادا ہوگا اسی طرح ا کسی نے م نحر سے پہلے قرنی کی کرائی تو وہ بھی شرعاً معتبر ہوگی ...لیکن یہ درکھنا چاہئے کہ ''اداء'' کا اعتبار اس وقت ہوگا اس عمل کا پہلے مکلّف کے ذ نفس وجوب ہو چکا ہو کہ شروع میں مذکور ہوا کیونکہ وجوب سے قبل اداء کا اعتبار اور نفس وجوب کا تعلق ذ مکلّف سے ہو ہے اور ذ کا محل مکلف ہے مال لہٰذا نفس وجوب میں مکلّف فاعل کے محل کا اعتبار ہوگا اور نفس وجوب کا سب م نحر ہے کہ شتہ صفحہ میں مذکور ہوا لہٰذا نفس وجوب میں یہ دیکھا جائے گا کہ جہاں ضحّی قرنی کرنے کرانے والا رہ ہے ں م نحر ہو چکا ہے ا م نحر ہو چکا ہے تو نفس وجوب ہو گیا اب دیگر شرائط کے ئے جانے کی صورت میں خود قرنی اس کی اجازت سے دوسرا کوئی آدمی کرے دونوں صورتوں میں یہ قرنی شرعاً ادا ہو جائے گی لیکن ضحّی جہاں رہ ہے ں م نحر ا ہوا ہے تو جس طرح اِس وقت یہ خود قرنی کر سکتا اسی طرح اس کی طرف سے کوئی اور بھی کر سکتا ا چہ وکیل دوسرا شخص کے شہر ملک میں مِ نحر شروع ہو چکا ہو۔

جناب مفتی صا نے متعدد کتب فقہ سے عبارت نقل کی ہے کہ غنا شرط وجوب ہے اور وقت ''سب وجوب'' ہے۔ یہ ت لکل مسلم ہے، سب وجوب کا مطلب اد لینے میں اصولی

طور لغز واقع ہوئی ہیں وجوب سے نفس وجوب ہی اد گیا۔ نفس وجوب کو سب کے لفظ کے ساتھ خاص کر دیا گیا۔ سب کو سب فی معنی العلۃ گیا۔ یہ ا لال وش ہے۔ کیونکہ

وجوب کی دو ہیں وجوب اداء اور نفس وجوب اور وجوب اداء مطلوب ہے اس لئے کہ اداء مقصود ہے اور اداء مقید لوقت ہے وقت خاص کے ساتھ جو وجوب متعین ہے وہ وجوب اداء ہے کہ شتہ اوراق میں کیا جا چکا لہٰذا فقہاء کے دی سب وجوب سے دسب وجوب اداء ہے۔

نفس وجوب کچھ صفات کے ساتھ مختص اور اس مبنی ہے خواہ اسے سب بھی کہا گیا ہو شرط جیسے ملک نصاب وجوب ز ۃ کے لیے سب ہے اور صدقۃ الفطر کے حق میں شرط ہے اور گو وجوبِ صدقہ کی ضافت رأس یمو کی طرف ہے ملک نصاب غنا کے ذ ال لوا ہو ہی ۔ ۔ صفات کا تحقق ہو گا نفس وجوب ہو جائے گا اور ا وقت خاص للا داء میں تحقق ہو ہے تو ذ کی لیت ان صفات کی وجہ سے ہوتی ہے کہ وقت کی وجہ سے ا وقت خاص خطاب الٰہی کی معرفت کا ذریعہ ہے جو وجوب اداء کا حقیقی سب ہے۔ وقتِ خاص ہی کو نفس وجوب کا سب اصول کے خلاف ہے۔

سب کی کئی ہیں ا سب فی معنی العلۃ ہو ہے جیسے ملک نصاب وجوب ز ۃ کے حق میں علّت ہے۔ ا سب محض بھی ہو ہے جو فقط مُفضِی الی الحکم ہے کہ موَ فی الوجوب جیسے اوقات مخصوصہ موقتات کے لیے قر نی کے سب وجوب کو ز ۃ کے سب وجوب قیاس کر کے قر نی کے سب یعنی وقت کو موَ فی الوجوب ما قیاس مع الفارق ہے۔

غنا کو شرط وجوب کہا گیا ہے کما فی کتب الفقہ وھو الصحیح۔ جناب مفتی صا اسے اہلیت وجوب یعنی اصل وجوب کی شرط کے بجائے فقط شرط وجوب اداء سمجھ رہے ہیں کہ ان کی عبارت دلا کر رہی ہے ”لہٰذا نفس وجوب میں یہ دیکھا جائے گا کہ جہاں ضحی قر نی کرنے کرانے والا رہ رہا ہے ں م اُخر ہو چکا ہے ا م اُخر ہو چکا ہے تو نفس وجوب ہو گیا اب دیگر شرائط کے ئے جانے کی صورت میں خود قر نی کرے یا اس کی اجازت سے دوسرا کوئی آدمی کرے دونوں صورتوں میں یہ قر نی شرعاً اداء ہو جائے گی الخ“ حالانکہ فقہاء کے دی وجوب اضحیہ کی علّت قدرۃ علی الصاب ہے۔ غنا اصلِ وجوب

کی شرط ہے یعنی غنا ہی کی وجہ سے مکلّف کا ذ ل لوا. کہلائے گا کیونکہ اصل وجوب کا محل بہرحال ذ مکلّف ہے اِس اصل وجوب کے بعد ہی وقت مخصوص میں وجوب ادا متحقق ہوگا ور ۔

قر نی کا وقت نماز، روزہ کے اوقات کی طرح سب وجوب ادا ہے پھر بھی دونوں میں فرق ہے کہ نماز، روزہ میں وجوبِ ادا کا محل خود مکلّف ہی کی ذات ہے کیونکہ وجوب جس ادا کی صفت ہے اس کا محل قیام ذاتِ مکلّف ہے وقت کی آمد نماز، روزہ کا وجوب مکلّف کے ذ ہی ہوگا یعنی وقت میں ذ ل لوا. ہو ہے اوراسی کو عرف میں فرضیت سے تعبیر کرتے ہیں حقیقت میں یہ بلحاظِ اصطلاح وجوبِ ادا ہے جس میں وجوب متصل لا دا رہتا ہے قی وہ نفس وجوب جو وجوب ادا کا مقابل اوراس سے فک ومقدم ہو ہے اس کا مبنیٰ صفاتِ مکلّف ہے کہ وقت۔ لہٰذا نماز، روزہ میں تو وقت کی آمد یہ کہنا ہے کہ وجوب فی الذ بسبب الوقت ہے اس قیاس کرتے ہوئے قر نی کے رے میں یہ کہنا کہ وقت کی آمد ہی وجوب ذ میں آئے گا در ہے کیونکہ یہاں وجوبِ ادا کا محل جانور ہے اور ذ کا ل لوا. ہو غنا سے ہے جو وجوبِ اضحیہ کی علت ہے۔

مفتی فاروق لندن کے ی کی ئید

کراچی کے مذکورہ ی کے چندسال بعدلندن میں مولا فاروق صا زی مجدہ نے اُ سابقہ بنیادوں ذی قعدہ ھ کو ی اور اں مفتی صا نے حضرت مفتی سید عبدالرحیم صا لاجپوری نوراللہ قدہ کے اس نوع کے ی کو مبنی تسامح بتا۔ اور پھر مولا اسمٰعیل گنگات صا مدظلہ کے توسط سے حضرت اقدس مولا مفتی محمد تقی عثمانی صا ادام اللہ ظلاله علينا سے یہ لکھ کر استصواب کیا۔

...’’بندہ کہتا ہے کہ فتاویٰ ر یہ کا ی مبنی تسامح ہے اور ہدایہ آ اور الدرالمختار ورد ار جلد کی جن عبارات کو حضرت مفتی سید عبدالرحیم صا لاجپوری قدس سرہ مفتی اعظم گجرات، ا نے بطورِ دلیل ذکر فر ہے ان کا تعلق نفسِ وجوب آجانے کے بعد سے ہے لہ نفسِ وجوب آجانے کے بعد قر نی کا جانور جس ہو اُس کا اعتبار ہو ہے قر نی کرانے والے کی کا اعتبار ہو۔‘‘ حضرتِ والا سے مؤ درخوا ہے کہ ا بندہ کے

جواب میں سقم اور غلطی ہوتو ا ح فرماد اور ا بندہ کا جواب ہوتو ئید فرماد ۔

حضرت مولا مفتی تقی صا عثمانی مدظلہ العالی نے ان الفاظ میں ئید فرمائی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

می مولا اسماعیل گنگات صا زید مجدکم

السلام علیکم و ۃ اللہ و کاتہ

قر نی کے رے میں مولا مفتی فاروق ڈ ئی صا کا ی موصول ہوا۔ بندے کو اس سے اتفاق ہے اور ان کے دلائل قوی ہیں اور فتاویٰ ر یہ میں تسامح ہے کیونکہ جو عبارت نقل کی ہے اس میں قر نی بعد الوجوب ہے جبکہ ز بحث مسئلہ میں قر نی قبل سب الوجوب واقع ہورہی ہے احتیاط اس میں ہے کہ قر نی کسی ملک میں کی جائے تو جس شخص کی طرف سے قر نی کی جارہی ہے اس کے ملک میں بھی م اضحیہ ختم ہوئے ہوں۔ واللہ وتعالیٰ اعلم

بندہ محمد تقی عثمانی عفی عنہ

نوٹ: حضرت مفتی سید عبدالرحیم صا کا ی شروع رسا دارالافتاء دارالعلوم کراچی "نگاہِ اولین" میں درج کیا گیا ہے۔ ھ

ئید ہے

ئید سے حضرت کی اد غالبًا یہی ہے کہ کتب فقہ کی وہ عبار جن کو حضرت مفتی سید عبدالرحیم صا نے نقل کی ہیں اس کا تعلق بعد نفس الوجوب ہے جبکہ ز بحث مسئلہ میں قر نی قبل سب نفس الوجوب واقع ہورہی ہے، اس لیے کہ نفس وجوب وقت سے ہو ہے (کما فهمه ارباب الفتاویٰ من لفظ "سبب الوجوب")

بندہ عرض کر ہے کہ حضرت کی یہ ئید مبنی ط ہے اس لیے کہ فقہاء کی عبارت کا تعلق بعد الوجوب سے ہے تو نفس وجوب یعنی ذ کے ل لوا ہونے کی بنیاد اور علّت غنا و رہے کہ وقتِ اضحیہ۔ اور سب وجوب سے اد وقتِ وجوب اداء ہے اور اِسی سب میں انتقال جا ہے کما سبق مفصلا لہٰذا کی قر نی دوسرے مقام ں کے ایم اضحیہ میں بھی کی جائے گی قبل سب الوجوب بلکہ بعد سب الوجوب ہی ہوگی۔

لہٰذا حضرت مفتی سید عبدالرحیم صا کا ی فقہ واصول فقہ کی روشنی میں اور در

ہے اس میں قطعی طور پر کوئی تسامح اور لغزش نہیں ہے۔ فللہ در الفقیه.

شاہی مرادآباد کا فتویٰ

شاہی مرادآباد کے حضرت مفتی شبیر احمد صاحب زید فضلہ نے ۲۲ر ھ کو فتویٰ لکھا جو بقول مفتی محمد سلمان منصورپوری زید مجدہ دارالعلوم کراچی اور حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ کے فتویٰ کے مابین ایک محاکمہ ہے یہ فتویٰ ندائے شاہی کے شمارہ جنوری ء میں شائع ہوا۔

حضرت مفتی صاحب نے اصول کے اُن ہی مفاہیم کے پیش نظر فتویٰ تحریر کیا ہے جن کو کراچی کے فتویٰ میں بنیادی حیثیت حاصل ہے اس لیے سابقہ خطائیں یہاں بھی موجود ہیں بلکہ مزید واقع ہوئی ہیں۔

الجواب وبالله التوفيق... حامدا و مصليا ومسلّما

اس مسئلہ میں تین چیزوں کو الگ الگ رکھنا لازم ہے (۱) سببِ وجوب یعنی قربانی واجب ہونے کا سبب یہ قربانی کا وقت ہے جو ایام النحر کے طلوع صبح صادق سے شروع ہوکر رہتا ہے تاریخ کے غروب آفتاب تک رہتا ہے (۲) شرطِ وجوب یعنی قربانی واجب ہونے کی شرط آزاد مسلمان کا مالک نصاب ہونا (۳) شرط ادا، یعنی مالک نصاب پر قربانی کے ایام اور وقت داخل ہونے کی وجہ سے قربانی واجب ہوجاتی ہے پھر اسکے قربانی ادا کرنے کے لیے ایک مزید شرط ہے وہ یہ ہے کہ شہری آدمی کیلئے نماز عید الاضحیٰ کی ادا لازم ہے یہی شہری کے لیے ادا کی شرط ہے یہ شرط دیہاتی پر لاگو نہیں ہوتی اور شرط ادا میں مکان اضحیہ کا اعتبار ہے مکان مضحّی کا اعتبار نہیں لہٰذا جہاں جانور ہوگا وہاں کا اعتبار ہوگا اور جہاں مالک ہو وہاں کا اعتبار نہیں یہ مسئلہ صرف تیسری شرط کے اعتبار سے ہے اور پہلی اور دوسری شرط کے وجوب کے بغیر تیسری شرط کا تصور ہی نہیں ہوسکتا، لہٰذا سب سے پہلے اول شرط یعنی دونوں قربانی کے زمانہ کا آنا لازم ہے پھر شرطِ ثانی یعنی زمانۂ قربانی میں مسلمان کا مالکِ نصاب ہونا ان دونوں شرطوں کے ایک ساتھ پائے جانے کے بعد تیسری کا مسئلہ سامنے آتا ہے اور تیسری شرط ایک خصوصی اور دوسری شرط ہے عمومی اور کلی صرف شہری کے ساتھ یہ شرط لگی ہوئی ہے۔ دیہاتی کے ساتھ نہیں لہٰذا شہری اور دیہاتی کے اعتبار سے مکان اضحیہ کا اعتبار ہوگا مکانِ مضحّی کا اعتبار نہیں۔ فتویٰ ...یہ اور مسائل قربانی میں تحت ہوگئی ہے کہ اس میں تیسری شرط کو سببِ وجوب یعنی پہلی شرط کے درجہ میں لے جاکر لکھا گیا ہے جو درست نہیں ہے اور

ساتھ میں ہدایہ، درمختار اور شامی کے ۔۔ ئیہ بھی نقل کیے ہیں ان تینوں ۔ ئیات کا تعلق تیسری شرط کے ساتھ ہے پہلی شرط کے ساتھ ۔ ہے ان ۔ ئیات کو اس مسئلہ سے ۔ سمجھنے میں ۔حت ہوگئی ہے۔ الخ ۔ ائے شاہی شمارہ جنوری ۔۔۔ء ۔

۔۔۔ اول ۔ یہاں حضرت مفتی صا ۔ ب سے مر ۔ ایک خطا یہ ہوئی بلکہ یہ خطا بھی کراچی کے ۔ ئی میں موجود ہے کہ شرط ادار سے فقط نماز عید الاضحیٰ کی اد ۔ ۔ ادلی ہے جو کہ شہری کے ساتھ خاص ہے حالانکہ وقت ۔ یم نحر ۔ خود شرط ادار ہے جو وا ۔ ب اور نفل دونوں قر ۔ نیوں کے لیے ہے خواہ شہر میں ہو ۔ ی دیہات میں اور فقہاء شرط ادار سے اوّلاً یہی وقت ۔ ادلیتے ہیں الوقت شرط لادائها على ما عرف فى اصول الفقه (فتح القدير) کیونکہ وا ۔ ب کی طرح نفل قر ۔ نی بھی موقت ہے بخلاف نفل نماز، روزہ کے اور یہ شرط ادار ہرا ۔ ۔ کے حق میں ہے ا ۔ ۔ ۃ العید کی ادا ۔ یہ مر ۔ ی شرط ہے شہر میں قر ۔ نی کے لیے۔ فلا يجوز لاحد ان يضحى قبل طلوع الفجر ۔انی من اليوم الاول من ايام النحر ويجوز بعد طلوعه سواء كان من اهل المصر او من اهل القرى غير ان للجواز فى حق اهل المصر شرط زائد وهو ان يكون بعد صلاة العيد لايجوز تقديمها عليه عندنا. (بدائع: ۷۳/۵)

۔۔۔ دوم ۔ اسی ۔ دوسری ۔ طاً ۔ ۔ ب ہوئی کہ مکان اضحیہ کا اعتبار جس کا تعلق دراصل شرطِ ادار یعنی وقت ۔ یم نحر ۔ سے ہے اور اہل مصر و قریہ دونوں کے حق میں عام اور کلی ہے۔ مفتی صا ۔ ب نے اسے شرط زا ۔ ۔ کے ساتھ جوڑ کر اعتبار مکان اضحیہ کے ضابطہ کو ۔ وی بنا ۔ ی دیکھئے مسئلہ... نمبر ۔۔ میں شرط ادار سے نماز عید الاضحیٰ ۔ ادلی ہے پھر لکھتے ہیں ''شرط ادار میں مکان اضحیہ کا اعتبار ہے'' اور آگے لکھتے ہیں ''تیسری شرط خصوصی اور ۔ وی ہے''۔

۔۔۔ سوم ۔ مفتی صا ۔ ب نے اپنے ۔ ئی میں مکان اضحیہ و مکان من علیہ الاضحیہ دونوں کے حق میں وقتِ وجوب کو ضروری قرار دیتے ہوئے ۔ م النحر سے پہلے ۔ وجود غنا کے ۔ نفس وجوب ۔ ہونے ۔ ایک خاص ۔ ئی مثال ۔ ۔ کی ہے۔

''ا ۔ ہندو ۔ ان کا آدمی ۔ دی عرب قر ۔ نی کا پیسہ بھیج دیتا ہے اور ۔ اں ہندو ۔ ان سے ایک دن پہلے قر ۔ نی کا دن شروع ہوجا ۔ ہے ہندو ۔ ان میں ابھی قر ۔ نی کا زما ۔ شروع ہی ۔ ہوا اب ا ۔ مالکِ قر ۔ نی ہندو ۔ ان میں اسی دن ۔ جا ۔ ہے تو اس ۔ قر ۔ نی وا ۔ ب ہی ۔ ہوئی حالانکہ مکان اضحیہ میں جہاں قر ۔ نی ہونی ہے ۔ اں ۔ وقت ہو چکا تھا۔ لہٰذا مکانِ اضحیہ اور مکان مالک

دونوں قربانی کا سبب وجوب یعنی دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق کا ہونا شرط ہے۔“

یہ استشہاد دو وجہ سے درست نہیں ہے۔

(۱) ایک یہ کہ اختلاف عالم سے حرم میں قربانی کے لیے ہدی بھیجنے کا شریعت کی روشنی میں قدر دشوار ہے حالانکہ ہدی بھیجنے والے اور ذبح فی یوم الآخر کے درمیان اوقات کا بین فرق بلکہ اکثر قمری تاریخ کا بھی اختلاف ہوتا رہتا ہے کما ستطلع علیه.

(۲) دوسری یہ کہ مالکِ اضحیہ کا یوم الآخر سے پہلے مر جانے کو کیا انحصار ہے مالک اضحیہ کے اعتبار سے وقت آجانے کے بعد بھی اگر اضحیہ یوم نحر میں ذبح نہیں کیا گیا ہے اور مالک مر گیا تو بھی وجوب نہیں ہوا۔

ولو مات الموسر فی ایام النحر قبل ان یضحی سقطت عنه الاضحیة وفی الحقیقة لم تجب لما ذکرنا اَنّ الوجوب عند الاداء او فی آخر الوقت فاذا مات قبل الاداء مات قبل ان تجب علیه کمن مات فی وقت الصلاة قبل ان یصلیها انه مات ولا صلاة علیه کذا ههنا (بدائع:٥/٦٥)

یہی نہیں بلکہ یوم نحر میں ادا سے قبل فقر لاحق ہو گیا تب بھی وجوب ساقط ہو جائیگا۔ معلوم ہوا کہ وجوب فی الذمہ کا سبب وقت نہیں ہے بلکہ غنا و ملک رہے۔

موسر اشتری شاةً للاضحیة فی اول ایام النحر فلم یضح حتی افتقر قبل مضی ایام النحر او انفق حتی انتقص النصاب سقطت عنه الاضحیة وان افتقر بعد ما مضت ایام النحر کان علیه ان یتصدق بعینها او بقیمتها ولا یسقط عنه الاضحیة (فتاویٰ قاضیخان بهامش العالمگیری:٣/٣٤٦)

فتاویٰ رحیمیہ کی تصحیح اور اس میں تسامح کی تردید

مفتی صاحب نے اپنے اُن بنیادی امور کے پیشِ نظر جس پر فتویٰ کا مدار ہے فتاویٰ رحیمیہ کے فتویٰ میں صحت کی تعیین کی ہے۔ جو بنیاد خود ہی ہوش اور نقل کے خلاف ہے تو حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب کے فتویٰ کو مبنی بر تسامح کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔

لان الظاهر من الفتوی ان السوال عن المسلم الحر الغنی المقیم فالاضحیة وجبت علیه ای فی ذمته بوجود الغنیٰ الشرعی الذی هو علّة لنفس الوجوب ای لما

هو مقابل لوجوب الاداء وهو الشرط الاول فالغنا شرط فی المرتبة الاولی والوقت بعد ذلك شرطٌ للاداء ای لذبح الاضحية سواء كان الذابح فی المصر او فی مكان لايصلی فيه العيد وعينُ ذلك الوقت سبب لوجوب الاداء هذا هو الشرط الثانی ولافرق بين شرطيّة الوقت وسببيّته لانه جامع لهما باعتبارين (كمامر) ثم بعد ذلك ای بعد مجئ الوقت ينتظر لصحة ذبح الاضحية الانصراف عن صلاة العيد ان تذبح فی المصر وهذا الشرط خاص للمصر فقط وهو الشرط الثالث فاعتبار الوقت لمكان ذبح الاضحية متعلق بشرط الاداء العام الشامل للمصری والقروی لاللشرط الثالث.

واذا علمت هذا فاستمع ان الشيخ المؤقر المفتی السيد عبدالرحيم اللاجفوری نور الله ضريحه قد اجاب السائل المقيم فی حيدرآباد عن اخيه عبدالرشيد الساكن فی بلدة مدراس فنفس الوجوب قد تحقق اذا ماصار ذا غنیً وبعد الوجوب يلاحظ وجوب الاداء المختص بالوقت وهو الشرط للاداء فالعبارات الفقية المندرجة فی الجواب من الهداية والدر المختار ورد المُحتار) لاعتبار مكان الاضحية كلها متعلقة لهذا الشرط فلم يقع تقديم و تاخير من صاحب السمو الشيخ الفقيه اللاجفوری علی ما يزعم المفتی شبير احمد المراد آبادی بل الامر اختلط عليه.

واذا كان كذلك فالسائل اذا ذبح فی مقامه فی يوم النحر اضحية اخيه الساكن فی مدراس كان الذبح بعد سبب الوجوب ای سبب وجوب الاداء لان السبب هو الجزء السابق المتصل بالاداء كما قرره الفقهاء فلا يقع الذبح قبل سبب الوجوب علی ماقيل فالفتوی صحيح وصواب بالتحقيق لاتسامح فيه مطابق لما صرح به ائمة الفقه فی كتبهم.

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کا فتویٰ

اسی موقف کی حمایت میں مذکورہ فتاویٰ کے بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل گجرات سے بھی ایک طویل فتویٰ صادر ہوا جس میں مسئلہ ہذا مختلف فیہا کو دوسرے طرز سے سمجھا گیا ہے۔ تاہم خاکم بدہن بنیادی تسامحات یہاں بھی درآمد ہوگئی ہیں تجاوز الله عن عثراتهم.

با ادب کے ساتھ عرض ہے کہ سببِ وجوبِ اضحیہ کو سبب وجوب للزکوٰۃ پر قیاس کرکے

کہ دونوں مالی عبادت ہیں اور دونوں سبب کا لفظ موجود ہے اضحیہ کے سبب کو مؤثر فی الوجوب تسلیم کیا گیا۔ یہ پہلا مقدمہ ہوا اور چونکہ سبب وجوب اضحیہ کو فقہ میں سبب وجوب للصلاۃ سے تشبیہ دی گئی ہے کہ دونوں قربانیاں موقتہ ہیں اور نماز میں وجوب میں مکلّف کے وقت کا اعتبار ہے۔ یہ ہوا دوسرا مقدمہ قربانی کے کہا گیا کہ جب وقت خاص آ جائے کا ذبح ل لوا. ہو گا ہی لہٰذا من علیہ الاضحیہ کے حق میں وقت کا اعتبار ضروری ٹھہرا۔

مقدمہ اولیٰ میں زکوٰۃ کا سبب وجوب ملک نصاب ہے جو کہ صفتِ مکلّف اور علّت ہے اور قربانی کا سبب وجوب یعنی وقت ادا، کا ظرف اور سبب محض ہے۔ اور مقدمہ میں قربانی کے وجوب کا محل جانور ہے اور نماز میں وجوب کا محل خود مکلّف کی ذات ہے اور دونوں وجوب سے وجوبِ ادا، د ہے هذا هو الفرق فيما بين المقدمتين.

اور حيلة المصرى اذا اراد التعجيل الخ کے ئ ہذا میں جو کچھ قوم ہے رسالہ کے اخیر میں "المعتبر مكان الاضحيه" جو کلام کیا گیا ہے اس سے حقیقت آشکارہ ہو جا ۔

موقف کی فاحش خطاء

اس سلسلہ کے فتاویٰ میں وقت ہی کو مؤثر فی الوجوب مان کر ابتدا، وقت کے رے میں یہ کہا گیا کہ من علیہ الاضحیہ کے اعتبار سے. صبح صادق ہو جائے اس کی قربانی دوسرے علاقہ میں کر جا ہے چہ وکیل ذا کے یہاں وقت ہو چکا ہو ور قربانی ہوگی۔ اس حکم کے ساتھ یہ بھی کہا جا کہ من علیہ الاضحیہ کے یہاں وقت ختم ہو جانے بھی دوسرے مقام میں اس کی قربانی جا ہوگی چاہے مکان اضحیہ میں وقت موجود ہو تو ان کے اصول مفروضہ کے مطا یہاں انتہائے وقت میں ں کہا جا ہے'' دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص کے ذ قربانی وا. ہو جانے کے بعد اس کی ادا جا اور ہونے کے لیے جس میں قربانی کا جانور ہو ں قربانی کا وقت شروع ہو جانے کے بعد قی رہنا ضروری ہے چاہے اصل مالک مؤکل کے مقام قربانی کا وقت ختم ہو گیا ہو ی ن گجراتی از مفتی فاروق لندن

حالانکہ وقت کو. مؤثر فی الوجوب یعنی سبب وجوب فی معنی العلۃ تسلیم کر کے من علیہ الاضحیہ کے حق میں اول وقت کا اعتبار ضروری قرار دیا گیا ہے تو لامحالہ آ وقت میں بھی اسکا اعتبار ہوگا کیونکہ قربانی کے دوسرے مقام ہونے کے لیے. یہ کہا جا ہے کہ پہلے

مؤکل کاذ ل لوا. ہے چاہیے اس لیے کہ ادار وجوب کے اور ذ ل لوا. ہے وقت کی آمد کہ اس سے پہلے۔ کمافی ا غ والنداء و ہما تو پھر بندہ بھی کہتا ہے کہ قربانی کے ہونے کے لیے مؤکل من علیہ الاضحیہ کے اصل وجوب کا قی رہنا بھی ضروری ہے . مؤکل کے اعتبار سے وقت ختم ہوگیا تو نفس وجوب ہی ختم ہوگیا تو پھر ادار کے ہونے کا کیا معنی۔ جیسے وجوبِ زکوۃ کے لیے ملک نصاب کو سبب وجوب کہا گیا ہے تو بقائے زکوۃ کے لیے نصاب کا قی رہنا شرط ہے اگر ادار سے پہلے نصاب ہلاک ہوگیا تو زکوۃ ساقط ہوجائے گی کیونکہ ملک نصاب سے اصل وجوب ہے لہٰذا سبب وجوب ختم تو نفس وجوب بھی ختم۔ غالباً اسی وجہ سے حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ العالی نے ئیدی خط میں یہ جملہ لکھا ہے ” احتیاط اس میں ہے کہ قربانی کسی ملک میں کی جائے تو جس شخص کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے اس کے ملک میں بھی یام اضحیہ ختم ہوئے ہوں۔“

”احتیاط“ کا لفظ پھر بھی تسامح سے خالی کیونکہ من علیہ الاضحیہ کے اعتبار سے وقت ختم ہوجانے کے بعد مکان اضحیہ میں قربانی جا ہوتی تو احتیاط تھا کہ ان کے وقت ختم ہونے سے پہلے کرلی جائے۔ یہاں تو اصول مفروضہ کے مطا قربانی بعد از وقت در ہے ہی ۔

اس طرح کا مسئلہ مفتی اسماعیل صاحب بھڑکودروی دامت کا م کے شائع کردہ ی میں بھی ہے۔

مسئلہ نمبر دی اور .کے جیسے ملک میں عید عموماً یہاں ہندو ن سے ای دن پہلے ہوتی ہے اس لیے ں کے شندے کی قربانی یہاں کی دسو ، گیارہو اور رہو ذی الحجہ کے غروب آفتاب ۔ کرنی جا ہے ا احتیاطاً ان کی قربانی پہلے دو دن یعنی دسو ، گیارہو میں کرلینی چاہئے کہ ں کے یام قربانی را ہونے سے پہلے ان کی قربانی ادا ہوجائے۔ جمہ از ی ن گجراتی مجلس الفقہ الاسلامی گجرات

فتاویٰ کا یہ دوسرا طرف خود ان کے اپنے مفروضہ کے بھی خلاف ہے اس لیے کہ ابتدائے وقت میں من علیہ الاضحیہ کا اعتبار اور انتہاء میں مکان اضحیہ کا اعتبار کیا گیا ولم یقل احد بصحة اداء الموقتات بعد مضی وقتها... فان التضحية اراقة الدم وهی انما تقبل فی وقت الاداء لا بعده وانما الذی یلزم بعده قضاء ها (فتح القدیر: ۵۰۷/۹)

واما بعد مضی ایام النحر فقد سقط معنی التقرب باراقة الدم لانها لاتکون قربة

الا فی مکان مخصوص وھو الحرم او فی زمان مخصوص وھو ایام النحر ولکن یلزم التصدق بقیمة الاضحیة اذا کان ممن تجب علیه الاضحیة لان تقربه فی ایام النحر کان باعتبار المالیة فیبقی بعد مضیھا والتقرب بالمال فی غیر ایام النحر یکون بالتصدق (مبسوط:١٤/١٢)

ب یموقف کا فسدۂ عظیم

وقتِ خاص ''سببِ وجوب ادا،'' ہے اور ادا، کا جو محل ہوگا وقت کا اعتبار اس کے حق میں کیا جائے گا جو مسئلہ ز بحث میں اضحیہ ہے اس ضابطہ کے رُو سے عمل میں امت کے لیے یسر وسہو ہے۔اس کے خلاف ''سب وجوب'' کے لفظ سے وقت کو ذ کے ل لوا. ب ہونے کا موٴ سب ما کے نتیجہ میں جو علمی خطائیں واقع ہوئی ہیں ان میں سے اکثر آپ شتہ ت میں مطلع ہو چکے ہیں اور اب اخیر میں اس ب یموقف کے عملی پہلو میں امت کس قدر حرج و اور نی میں ہو جائے گی اسے بھی ای نظر دیکھ لیجئے۔ کیونکہ ای طرف یہ مسئلہ فقط مغر مما لک کی قر ں مشرقی ملکوں میں انجام دینے کا ہے بلکہ د کے تمام شہروں اور دیہاتوں میں ای کی قر نی دوسری کرنے سے ہے۔اور دوسری طرف شمسی اوقات کے اعتبار سے ملک کے صو ں اور صو کے ضلعوں میں صبح صادق اور غروب آفتاب و ہ کے اوقات میں تفاوت تقدم ہ لکل سلّم اور قطعی ہے مثلاً ا ل ھ کی دسو ذی الحجہ م الٰخر رجنوری ء کو رہی ہے اس دن کے صبح صادق کے اوقات میں علاقوں کا فرق بطور حظہ فرمایئے۔

نوٹ : یہ ن اسی سال عیدالاضحیٰ سے قبل لکھا گیا ہے۔

صوبہ گجرات

علاقہ	رجنوری	صبح صادق	علاقہ	رجنوری	صبح صادق
وا دمن	//	[illegible]	سورت	//	[illegible]
احمد آ د	//	[illegible]	پٹن	//	[illegible]
بھوج	//	[illegible]	او	//	[illegible]

یہ منقسم ہندو ان کا حال ہے کستان و بنگلہ دیش ہی بلکہ ہر ملک کے ا رونی علاقوں میں قرب و بعد فت کی وجہ سے شمسی اوقات میں فرق یقینی ہے۔

اب ملکوں کا بھی ا ازہ لگا لیجئے۔

افریقہ، ا یکہ، طا ، و ہ اور مما لک عربیہ کے مالداروں کی قر نیوں کا سلسلہ ہندو ک اور بنگال و ہ ایشیائی و ایشیائی ملکوں میں حضرت مفتی سید عبدالرحیم صا رحمہ اللہ کے ئی کے بعد سے بلکہ ا زمانۂ قد سے جاری اور لوگوں میں رائج ہے اہل مغرب کی طرف سے مشرقی ملک کے کسی دیہات میں بلکہ شہر میں رہنے والا غری ی مالدار، شناسا شناسا، اہ را لواسطہ جو قر نی کا وکیل ہے اوّلاً تو اسے یہی معلوم کہ جس کی طرف سے قر نی ہے وہ کون اور کہاں رہتا ہے؟ ا لاً معلوم ہو تو اسے یہ علم ہے کہ من علیہ الاضحیہ سے میں وکیل ذا جہاں رہتا ہوں دونوں مقامات میں دن گھنٹوں کا کتنا فرق ہے اور ا ملکی پیا فرق یعنی معیاری وقت معلوم بھی ہو بھی مقامی وقت شمسی رفتار کے لحاظ سے من علیہ الاضحیہ کے یہاں صبح صادق و ہ اوقات کا واقعی علم ہو ا صورت میں وکیل ذا کے لیے وقت کا ا ازہ لگا اور پھر اس کی رعای کر کہ من علیہ الاضحیہ کے یہاں صبح صادق ہو چکی ہے یقیناً دشوار اور مشکل ہے۔

وکیل ا شہر میں ہے تو وہ اتنا جانتا ہے کہ نماز عید کے بعد قر نی در ہے اس سے قبل اور ا دیہات میں ہے تو صبح صادق کے بعد قر نی کر سکتے ہیں۔ عا المسلمین جتنا جان رہے ہیں یہی شرعاً ہے اور ا من علیہ الاضحیہ کے اعتبار سے وقت کی رعای کر ضروری ہو کہ ی موقف کا تقاضہ ہے تو اتنا ہی کہ شہری کی قر نی دیہات میں صبح صادق کے بعد بلکہ ا شہری کی قر نی دوسرے شہر میں نماز عید کے بعد بھی جا ہو مثلاً ا ملکی شخص نے اپنی قر نی سورت میں کرائی وکیل شہر میں نماز عید کے فوراً بعد ذ کر ہے تو روئ ہلال کی بنیاد عرب اور ہند کی ریخ ا ہو جانے کے وجود قر نی ہو سکی اس لیے کہ شمسی وقت کے لحاظ سے ملکی شخص من علیہ الاضحیہ کے یہاں ابھی صبح صادق ہوئی ہے اور یہاں سورت میں لوگ نماز عید سے فارغ ہو کر جانور ذ کر رہے ہیں۔

غرضیکہ د کے مختلف خطوں میں اور ملک کے مختلف حصوں میں لوگ وکا و میں دوسروں کی قر نی کرتے ہیں ان کے لیے من علیہ الاضحیہ کے اعتبار سے صبح صادق کا لحاظ رکھنے میں

کھلم کھلا حرج ہے اور یہ مفسدۂ عظیم موقف کا نتیجہ کہلائے گا۔

موقِف حادث سے ای متوا عمل کا بطلان

 موقف کا دوسرا نتیجہ کہ مفتی شبیر احمد صا نے ضابطہ کی تفہیم کے لیے بطورِ مثال ذکر کیا اور مفتی اسماعیل صا بھڑکودروی نے مسئلہ کے طور ذکر کیا ہے۔

''مسئلہ یہاں ہندو ن میں رہنے والے بھائیوں کی قر نی دی اور ، کے میں اس کی دسو ذی الحجہ کو جا اس لیے کہ یہاں کے شندہ نو ذی الحجہ ہونے کی وجہ سے ابھی قر نی وا.   ہوئی ہے۔''   یٰ از مفتی اسماعیل بھڑکودروی مجلس الفقہ الاسلامی گجرات اور قی حضرات بھی التزاماً اسی کے قائل ہیں۔

حقیقت میں یہ اُس موقف کا دوسرا مفسدہ ہے کہ اس سے اطرافِ عالم سے ہدی رقم بھیج کر حرم میں کی جانے والی قر نیوں کا ای سلسلہ جو خیر القرون سے عملاً چلا آ ہے جبکہ قر نی کرانے والے وہ لوگ بھی ہیں جو کے مختلف خطوں میں مقیم رہتے ہیں اُن کے اور حرم میں ذ کے وقت میں کثیر تفاوت جا ہے اور عموماً ریخ کا بھی فرق رہتا ہے تو امت کے اس قدر مشترک متوا عمل کا طل ہو لازم آ ہے جبکہ اصول شرع کی روشنی میں امت کا یہ عمل لکل حق ہے اور اس کے اور منقول ہونے بِ فقہ ریخ کی شہادت کافی ہے کہ آ ی رسا میں آپ مطلع ہوں گے۔

 اس موقف کا اصولِ فقہ کے خلاف بلکہ خود اپنے مفروضہ کے خلاف ہونے ، تِ کا حرج بیّن میں ہونے اور ای متوا عمل کے طل ہونے کی وجہوں سے موقف کا غلط ہو لکل عیاں ہو جا ہے۔ فتفکروا.

کشف الغطاء عن اعتبار الوقت لمحل الاداء

م قمری اور اوقاتِ شمسی

عبادتوں کی ادا کے لیے م کی تعیین اور اوقات کی تحد بھی کی گئی ہے ریخ کی تعیین شریعتِ ہ میں قمری اعتبار سے ہے اور اوقات کی تحد و تقد شمسی اعتبار سے ہے ماہِ قمری کے ثبوت کا دارومدار رو ہلال ہے اور حسبِ ا ف یعنی خواہ مطلع متحد ہو مختلف جا دیکھنے

والوں کے حق میں مطلع صاف ہونے ہونے کی وجہ سے بعض ممالک اور بعض شہروں میں رُویتِ ہلال کا تحقق ہوتا ہے اور دیگر بعض مقامات اس کا شرعی ثبوت بہم پہنچے اسلئے تاریخ میں ایک یوم کا فرق آجانا ممکن بلکہ واقع اور مسلّم ہے۔

مقامی وقت یعنی آفتاب کی ذاتی رفتار سے صبح صادق، طلوع، زوال، غروب وغیرہ کے ذریعہ وقت میں امتیازات قائم ہونے سے مخصوص اوقات کا تحقق ہوتا ہے اور آبادیاں میں ان کے جائے وقوع کے طول البلد وعرض البلد کے اختلاف سے اوقات مخصوصہ میں تفاوت یہی وہ یقینی ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ دنیا کے مختلف خطوں میں ایک دن میں گھنٹوں کا فرق بلکہ لیل ونہار کا بھی اختلاف ہوا کرتا ہے۔

موقتات میں ایام واوقات کا اعتبار

لہٰذا اگر اقلیم میں اتحاد مطلع کی بنیاد قمری تاریخ یکساں ہو، تب بھی اوقات مخصوصہ میں تقدم وتأخر ظاہر لازمی ہے اسی لیے فرضیتِ احکام میں دونوں امورِ قطعی کا اعتبار کیا گیا اور شرع نے عبادتوں کی ادا کا مکلّف کرنے میں حسبِ وعدہ او ری يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر اور لا يكلف الله نفسا الا وسعها. بندوں کی قدرت علی الاداء کی بھی رعایت کی ہے یعنی شارع کا بندوں سے اداء کا مطالبہ ان کے اعتبار سے اوقاتِ مخصوصہ میں ہوا کرتا ہے۔ دیکھئے قرآن پاک کی آیت ان الصلوٰة كانت على المومنين كتابا موقوتاً.

اس آیت کے تحت امام رازیؒ لکھتے ہیں واعلم انه تعالىٰ بيّن فى هذه الآية ان وجوب الصلاة مقدر باوقات مخصوصة الّا انه تعالىٰ اجمل ذكر الاوقات ههنا وبيّنها فى سائر الآيات (تفسیر کبیر: ۱۱/۲۸) امام قرطبیؒ لکھتے ہیں... وقال زيد بن اسلمؒ موقوتاً منجّمًا اى تؤدّونها فى انجمها والمعنى عند اهل اللغة مفروض لوقت بعينه (تفسیر قرطبی: ۵/۳۷۴) اور قاضی بیضاویؒ لکھتے ہیں اى فُرِضَ محدود الاوقات لايجوز اخراجها عن اوقاتها فى شىء من الاحوال (تفسیر بیضاوی: ۳/۴۰۲)

ان سب کا حاصل حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی جامع تفسیر ''بیان القرآن'' کے ترجمہ وتفسیر کے مختصر دو جملوں سے ملاحظہ فرمائیے ''یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے ساتھ محدود ہے'' فرض ہونے کی وجہ سے ادا کرنا ضرور اور موقت ہونے کی وجہ سے

وقت ہی ادا کر ضرور ۔ بیان القرآن

پہلے جملہ میں ''ادا کر'' ادا, و دونوں کو شامل ہے اور دوسرے جملہ میں ''ادا کر'' سے ادا یعنی کا مقابل ہے۔

الغرض واجبات موقتہ بلکہ قربۃ واجبہ بھی اگر شریعت نے اس کی ادا, کو موقت قرار دیا ہے تو ادا, یعنی فعل وا. نفل کا جو محل ہوگا اس کے حق میں وقت کا اعتبار کیا جائے گا اور محلِ ادا, جہاں ہوگا اس کا وقت ملحوظ ہوگا۔

نماز، روزہ یعنی ارکان مخصوصہ اورا ک مخصوص کا محل مکلّف کی ذات ہے یعنی فعل کا صدور اور قیام مکلّف کی ذات سے ہے اور چونکہ ان افعال سے اِتعاب نفس مطلوب ہے اسی لیے یہاں بھی جا لہٰذا فاعل یعنی مکلّف ہی کے حق میں وقتِ وجوب کا اعتبار ہوگا۔ اگر کوئی ہندی مثلاً ریہ پہنچ جائے تو اس کے ذ , اور کی ادا, کا وجوب ہوگا اور کوئی ری شخص مثلاً عرب چلا جائے تو یہ دونوں نماز بھی وا. الادا, ہوں گی۔ کیونکہ ریہ میں , کا وقت ممتاز جا ہے۔ اہلیتِ وجوب کے بعد ہی اوقات مخصوصہ میں متوجہ ہونے والے خطابِ شارع سے جس ا دال ہے ادا, کا وجوب بھی مکلّف کے ہی ذ آ ہے وقت کی وجہ سے ذ ل لوا. ہوا لہٰذا فقہا, کا ''سببھا اوقاتھا'' کہنا لکل ہے۔

وسبب وجوبها اوقاتها والامر طلب لاداء ماوجب في الذمة بسبب الوقت وقد ذكرنا وجه ذلك في التقرير... فان قلت جعلت الوقت سببًا فكيف يكون شرطا قلتُ هو سبب للوجوب وشرطٌ للاداء. (عنايه على هامش الفتح:۲۱۶/۱)

یہ وجوب عتبارِ محلِ ادا, کے ہے اور اصل وجوب مکلّف کے ذ عتبار صفات کے ہے۔ فافهم فانه لطيف وانه مزلة الفهم.

اور ز ۃ میں جزءٌ من النصاب کی ادا کا وجوب ہے جو کہ مال ہے ادا, کا محل مال ہے لہٰذا وجوبِ ادا, کا تعلق مال سے ہوا اور مال من حیث الجنس محل ادا, ہے کہ بحیثیتِ نوع اور چونکہ مقصود تصدق سے سَدّ خلّة المحتاج ہے اسی وجہ سے فی الادا, جا ہے، لہٰذا ادائے ز ۃ محلِ مال کا لحاظ ہوگا چنانچہ جہاں مال ہو اس کے فقرا, کو مقدم ر جا ہے اگرچہ ز ۃ کی ادا موقت ہے مکانِ محل ادا, کی رعا ئی جاتی ہے۔

اور صدقۃ الفطر میں جس فعل کا وجوب صبح م الفطر کو ہے وہ درحقیقت ''اغنا,'' ہے

اوراغناء کاتعلق ذ مکلّف سے ہے نماز، روزہ کی طرح مکانِ مودّ ی کے حق میں وقت کا اعتبار کیاجائے گا۔

اورقر نی میں اوقات مخصوصہ میں وا ب ہونے والافعل اراقۃ الدم ہے جس کا محل جانور ہے اس لئے ذ اضحیہ کے حق میں وقت کا اعتبار کیا جائے گا یعنی جانور جہاں ہوگا ں کا وقت ملحوظ ہوگا خواہ ذا خود من علیہ الاضحیہ ہو یا اس کی طرف سے وکیل ہو ب۔ اورخواہ قر نی نفل ہو کہ وا ب اور وجوب بشرط الغ من جا اللہ ہو یا بسبب نذر من جا العبد ہو یا پھر شراءِ فقیر بنیۃ الاضحیہ ہو۔ کیونکہ وقت مطلق قر نی کے لیے شرط اداء ہے۔

یہ ب امور فقہ کے د ی لکل مسلّم ہیں اور اس میں نقلاً کوئی ا ف ہے۔

(١) القربات الموقتة يعتبر وقتها فی حق فاعلها لا فی حق المفعول عنه (بدائع:٥/٧٣)

(٢) المعتبر فی الزكوٰة فقراء مكان المال وفی الوصية مكان الموصی وفی الفطرة مكان المودّی عند محمد وهو الاصح لان رءوسهم تبع لرأسه (طحطاوی:٧٢٢)

(٣) وصدقة الفطر بعد ماوجبت لاتسقط بموت المودّیٰ عنه بخلاف الزكوٰة فان الواجب هناك جزء من المال وبهلاكه يفوت محل الواجب وهنا الصدقة تجب فی ذمه المودّی فبموت المودی عنه لايفوت محل الواجب فلهذا لا يسقط. (مبسوط:٣/١٠٨ هدايه:١٩٤)

(٤) فيعتبر فی الاداء مكان المحل وهو المال لامكان الفاعل (ای من عليه الاضحية) اعتباراً بها بخلاف صدقة الفطر حيث يعتبر فيها مكان الفاعل لانها تتعلق فی الذمة والمال ليس بمحل لها (مبسوط:٦/٤٧٧)

ويعتبر مكان المذبوح لامكان المالك وفی صدقة الفطر يعتبر مكان المولیٰ لامكان العبيد (قاضی خان)

فيعتبر فی الصرف ای فی الاراقة مكان المحل ای المال لامكان الفاعل اعتبارًا بالزكوٰة بخلاف صدقة الفطر (فتح القدير)

المعتبر مكان الاضحية کا ضابطہ عام

لہٰذا قر نی میں مکانِ ذ اضحیہ کے حق میں وقت کا اعتبار صا ب ائع نے خوب

وضا وصرا کے ساتھ مدلل لکھا ہے وانما یعتبر مکان الشاة لامکان من علیه هکذا ذکر محمد فی النوادر قال انما انظر الی محل الذبح ولا انظر الی موضع المذبوح عنه وهکذا روی الحسن عن ابی یوسف انه یعتبر مکان الذی یکون فیه الذبح ولا یعتبر المکان الذی یکون فیه المذبوح عنه وانما کان کذلك لان الذبح هو القربة فیعتبر مکان فعلها لامکان المفعول عنه (بدائع: ۷۴/۵)

القربات الموقتة یعتبر وقتها فی حق فاعلها لا فی حق المفعول عنه ای شرعی قاعدہ کلیہ ہے بلکہ الموقتة کے عموم میں واجباتِ موقتہ اور موقتاتِ واجبہ دونوں شامل ہیں چنانچہ حج جس فرض ہے. وہ بنفس حج ادا کرے گا تو اسی کے حق میں م واوقات کا اعتبار ہوگا اور اگر معذور ہونے کی وجہ سے دوسرے کو تو اس حاج عن الغیر کے حق میں اوقات کا لحاظ ہے خواہ محجوج عنہ کے یہاں م عرفہ اور وقت وقوف شروع ہو گیا ہو ا محجوج عنہ حج فرض ہو ضروری ہے اور اس کی فرضیت ا متحقق ہو جاتی ہے یہی حال نفل حج کا ہے اس لیے کہ شرعاً وہ بھی موقت ہے۔ ٹھیک اسی طرح قربانی ہے وا. ہو کہ نفل اس کی ادا، مقید لوقت ہے وجوب فی الذ سو وہ غنا و رسے ہے اور نماز، روزہ میں مکلّف ہی فاعل قربة ہے اس لیے اس کے حق میں اوقات ملحوظ ہوتے ہیں۔

لہٰذا مکانِ ذ اضحیہ کا اعتبار کا ین کے حق میں شہری ہوں دیہاتی مسلم الثبوت ضابطہ ہے جہاں عید کی نماز شرعاً ہو ں نمازِ عید کے بعد اور وہ تمام جگہیں جہاں شرعاً نماز عید ہے صبح صادق کے فوراً بعد احناف کے دی قربانی جا ہے خواہ ذ کرنے والا من علیہ الاضحیہ ات خود ہو اس کا وکیل ۔

المعتبر فی ذلك مکان الاضحیة حتی لو کانت فی السواد والمضحی (ای من علیه الاضحیة) فی المصر یجوز وقت الفجر ولو کانت فی المصر والمضحّی فی السواد لایجوز الا بعد الصلاة لانها تسقط بالهلاك قبل مضی ایام النحر کالزکوٰة تسقط بهلاك النصاب فیعتبر فیها مکان المحل وهو المال لامکان الفاعل (من علیه الواجب) کالزکوة بخلاف صدقة الفطر حی یعتبر فیها مکان (المودّی) لانها تتعلق به فی الذمة (شرح نقایه: ۲۶۹/۲)

تنبیہ (حیلۃ المصری)

کتب فقہیہ میں "حیلۃ المصری اذا اراد التعجیل الخ" جیسی عبارت مذکورہ قاعدۂ شرعیہ (المعتبر مکان الاضحیۃ) متفرع ہوئی ہے یعنی اہل شہر کے لیے قربانی کا گوشت جلد حاصل کرنے کی ایک تدبیر ہے جوان کے اپنے شہر ہی سے قریب کے دیہات اور قریہ میں ممکن ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا تو ہے کہ دونوں میں اضحیہ کا وقت شروع ہو چکا ہے لیکن اس سے یہ کہ اہل شہر کے حق میں صبح صادق کے بعد نماز عید سے پہلے قربانی کے جواز کی یہی صورت ہے جو شہر سے قریب دیہات میں متحقق ہو سکتی ہے، ہر ہے کیونکہ وقت جواز "شرط ادا" میں دنیا کے تمام اہل شہر اور اہل قریہ شامل ہیں اور نمازِ عید سے فراغت کی شرطِ زائد صحتِ قربانی کے لیے مطلق شہر کے حق میں ہے جس میں عالم کے تمام شہر داخل ہیں اور صبح صادق کے فوراً بعد دیہات میں قربانی کے ہونے کے لیے دیہات کا شہر سے قریب ہونا شرط ہے۔ ودخول الوقت لایختلف فی حق اھل الامصار والقریٰ وانما یختلفون فی وجوب الصلاۃ فلیس علی اھل القریٰ صلاۃ العید الخ. کما مرّ (مبسوط:۱۲/۱۰) الحنفیة قالوا: یدخل وقت الاضحیه عند طلوع فجر یوم النحر... وھذا لایختلف فی ذاته بالنسبة لمن یضحی فی المصر او یضحی فی القریة لکن یشترط فی صحتها للمصری ان یکون الذبح بعد صلاۃ العید (الفقه علی مذاھب الاربعة)

مکانِ اضحیٰ ومن علیہ الاضحیہ کا اتحاد واختلاف

مکان اضحیہ اور من علیہ الاضحیہ کے اتحاد واختلاف کی عقلاً پانچ اور حاصل صورتیں ہیں فقہاء عموماً بیان کرتے ہیں:

دونوں کا مکان متحد ہو جس کی دو شکلیں ہیں ایک دونوں شہر میں ہیں تو چونکہ مکان ذبح شہر ہے نماز عید سے پہلے قربانی جائز نہیں۔ دوسری اور اگر دونوں دیہات میں ہیں تو بعد طلوع صبح فوراً قربانی درست ہوگی خواہ ذابح خود من علیہ الاضحیہ ہو یا شخص دیگر۔

اور اگر دونوں کا مکان مختلف ہے تو جوازِ اضحیہ کے لیے مکان اضحیہ کا اعتبار ہے نہ کہ من علیہ یامن مِنه الاضحیه کا اتحاد کی صورت میں چونکہ کوئی اشکال نہیں ہے اس لئے ان کا ذکر

مکان الاضحیۃ کا ضابطہ کرنے کی حا. آئی اورا ف کی صورتوں میں اشکال متوجہ ہوگا اس لیے ضابطہ بیان کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی چنانچہ

من علیہ الاضحیہ ا شہر میں ہو اور اس کا جانور دیہات میں تو وکیل ذا کے لیے صبح صادق کے بعد قر نی لکل در ہے خواہ اضحیہ وا. ہو کہ فلہ اور من علیہ الاضحیہ یامَن مِنه الاضحية کسی بھی شہر میں ہو۔

دوسری کے عکس اضحیہ شہر میں ہے اور من علیہ الاضحیہ دیہات میں تو نماز عید سے قبل جا ۔ا فِ مکان کی صورتوں میں وکیل ذا اورا مذ ح عنہ کے درمیان قرب و بعد فت سے جواز کوئی ا واقع ہے۔

اعلم هذا اذا كان من عليه الاضحيه فى المصر والشاة فى المصر یہ پہلی صورت ہوئی فان كان هو فى المصر والشاة فى الرستاق او فى موضع لايصلى فيه یہ دوسری صورت ہوئی وقد امر ان يضحوا عنه فضحّوا بها بعد طلوع الفجر قبل صلاة العيد فانها تجزيه وعلى عكسه لوكان هو فى الرستاق والشاة فى المصر یہ تیسری صورت ہوئی وقد امر ان يضحى عنه فضحّوا بها قبل صلاة العيد فانها لاتجزيه وانما يعتبر فى هذا مكان الشاة لامكان من عليه الخ (بدائع)

من علیہ الاضحیہ ا قریہ میں ہو اور اسکا اضحیہ دوسرے قریہ میں اس کا حکم نمبر سے ظاہر ہے

ا شہر والے کی قر نی دوسرے شہر میں علی عکس الرا اس کا حکم نمبر سے معلوم ہو چکا ہے۔

اس آ ی صورت میں حسن نے ذکا معمولی سا ف اولو کا ہے اور وہ بھی ذبح فی المصر کی شرط زا "فراغ عن الصلاۃ" کے حق میں کہ اصل شرط میں۔

صا ائع آگے لکھتے ہیں وان الرجل فى مصر واهله فى مصر آخر فكتب اليهم ان يضحوا عنه روى عن ابى يوسف انه اعتبر مكان الذبيحة فقال ينبغى لهم ان لا يضحوا عنه حتى يصلى الامام الذى فيه اهله وان ضحوا عنه قبل ان يصلى لم يجز وهو قول محمد وقال حسن بن زياد انتظرت الصلاتين جميعًا وان شكوا فى وقت صلاة المصر الآخر لم يذبحوا حتى تزول الشمس فاذا زالت ذبحوا عنه. وجه قول الحسن ان فيما قلنا اعتبار الحالين حال الذبح وحال المذبوح عنه فكان اولٰى.

ولابی یوسف ومحمد ان القربة هو الذبح والقربات الموقتة یعتبر وقتها فی حق فاعلها لا فی حق المفعول عنه (بدائع: ۵/۷۳)

یعنی حسن بن زیادؒ فرماتے ہیں کہ مذبوح عنہ کے یہاں بھی نماز عید ہوچکی ہو اس کا لحاظ کرنا جائے تو اولیٰ ہے کیونکہ اس میں دونوں کے حال کی رعایت ہے۔ گویا ابن زیادؒ کے نزدیک اس صورت خاص میں بھی مکان اضحیہ کے اعتبار سے قربانی بعد نماز عید جائز اور درست ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ادائے قربانی کے لیے اعتبارِ وقت کا ضابطہ سب کے نزدیک مسلّم اور متفق علیہ ہے حسن بن زیادؒ اس ضابطہ میں درجہ اولیت میں مکانِ مذبوح عنہ کے اعتبار کا اضافہ کر رہے ہیں اس کے بالمقابل صاحبینؒ نے اصول میں کوئی اضافہ کسی درجہ میں نہیں کیا اور اسی میں امت کے لیے سہولت ہے۔ چنانچہ امت کا عمل بھی صاحبینؒ کے قول کے مطابق ہے اور یہی مفتیٰ بہ ہے۔

الغرض مذکورہ تمام صورتوں میں غور فرمائیے المعتبر مکان الاضحیة کا ضابطہ کارفرما ہے حالانکہ اختلاف کی صورتوں میں یہ عین ممکن ہے کہ مکان اضحیہ اور من علیہ الاضحیہ کے درمیان بُعدِ مسافت کی وجہ سے طلوع صبح صادق اور غروب آفتاب کے اوقات میں بیّن فرق ہو کیونکہ یہ نظام شمسی کے تحت ایک مسلّم حقیقت ہے پھر بھی صحت تضحیہ کے لیے ابتداء وانتہاءِ وقت میں مکان اضحیہ کا ہی اعتبار کیا گیا ہے لان الذبح هو القربة فیعتبر مکان فعلها لامکان المفعول عنه.

اسی ضابطہ کے ماتحت وہ جزئیہ ہے جو "حیلة المصری الخ" کے عنوان سے کتب فقہ میں مذکور ہے جس کی وضاحت اوپر گزر گئی۔

اراقۃ الدم کی انواعِ اربعہ

شریعت میں اراقۃ الدم کے ذریعہ قربت انجام دینے کی جتنی صورتیں ہیں ان کی زمان ومکان کے ساتھ اختصاص کے اعتبار سے چار قسمیں ہیں:

(۱) زمان ومکان دونوں کے ساتھ خاص ہو جیسے دمِ قران، ودمِ تمتع اور دمِ نفل اَز مفرد بالحج کرنا چاہے یعنی دم شکر ایام نحر اور حرم کے ساتھ مختص ہے۔

(۲) مکان یعنی حرم کے ساتھ خاص ہو زمان یعنی ایام النحر کے ساتھ خاص نہ ہو جیسے دمِ جنایات، دمِ احصار، دمِ کفارہ۔

(۳) ایام نحر کے ساتھ خاص ہو، مکان متعین نہ ہو جیسے اضحیہ خواہ واجب ہو کہ نفل۔

زمان ومکان دونوں کے ساتھ خاص ہو جیسے دمِ ر۔

م اعلم ان الدماء علی اربعة اوجهٍ منه ما یختص بالزمان والمکان وهو دم المتعة والقران ودم التطوع فی روایة القدوری ودم الاحصار عندهما (۲) ومنه ما یختص بالمکان دون الزمان وهو دم الجنایات ودم الاحصار عنده والتطوع فی روایة الاصل (۳) ومنه ما یختص بالزمان دون المکان وهو الاضحیة (٤) ومنه مالا یختص بالزمان ولا بالمکان وهو دم النذور عندهما وعند ابی یوسف دم النذور یتعین بالمکان. (تبیین الحقائق: ۲/٤۳٤)

اس سے معلوم ہوا کہ دم قران وتمتع اوراضحیہ م نحر کے ساتھ خاص ہے اور دم شکر ہو کہ دم جنایہ حرم کے ساتھ موقت ہے اور دم تطوع اور دمِ ور مختلف فیہ ہے۔

(وخص ذبح هدی المتعة والقران بیوم النحر فقط والکل بالحرم لابفقیره) بیان لکون الهدی موقتا بالمکان سواء کان دم شکر او جنایة لما تقدم انه اسم لما یُهدی من النعم الی الحرم واما توقیته بالزمان فمخصوص بهدی المتعة والقران الخ (بحرالرائق: ۳/۷۲)

دوسری ت یہ معلوم ہوئی کہ ان تمام اراقۃ میں ذبیحہ کے حق میں زمان مکان کا اعتبار کیا گیا ہے کہ مذ ح عنہ کے زمان ومکان کا۔ ا مذ ح عنہ کے اعتبار سے زمان ومکان کی رعا ضروری ہوتی تو فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ اتنی اہم شرط کو نظرا از فرماتے۔

تیسری ت غور فرمائیے اِن قُر ت میں جو اراقہ وا ہے اس کے وجوب فی الذ کا سد وہ صفت ہے جس سے مکلّف وقتی وعارضی طور متصف ہوا ہے یعنی قران، تمتع، احصار، قتل صید، جنایہ، راور غناو ر۔ اراقۃ الدم کے وجوب کی علّت کہیں بھی وقت خاص ہے۔

ال اور بقر میں سات آدمیوں کی شر

اس قر کی ادا کے لیے محل اراقہ اَ ا جانور ہے تو اس میں سات آدمیوں کی شر جا اور در ہے خواہ قر کی جہت مختلف ہوا قر کی س ہ ب میں شرط ہے اَ کسی ا نے بھی محض گو حاصل کرنے کا ارادہ کیا ہے تو کسی کی قر ادا ہوگی۔

سن رسول الله صلی الله علیه وسلم البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة. (بدایة

المجتهد ٤/٨٤)

والابل والبقر تجزى عن سبعة والمعز والغنم لايجزيان الا عن احد وان كان بعض السبعة اهل المتعة وبعضهم اهل القِران وبعضهم اهل الجزاء وبعضهم اهل الاضحية وبعضهم اهل التطوع اجزأت عنهم ولو كان بعضهم يريد نصيبه من اللحم فانه لايجوز ولا عن احد (النُتَف فى الفتاوىٰ لابى الحسن على السُغدى متوفى ٤٦١هـ)

ولو ارادوا القربة الاضحية او غيرها من القرب اجزأهم سواء كانت القربة واجبة او تطوعا او وجبت على البعض دون البعض سواء اتفقت جهات القربة او اختلفت بان اراد بعضهم الاضحية وبعضهم جزاء الصيد وبعضهم هدى الاحصار وبعضهم كفارة شيء اصابه فى احرامه وبعضهم هدى التطوع وبعضهم دم المتعة والقران... وهذا قول اصحابنا الثلاثة (بدائع: ٥/٧١)

ذ فی الحرم کے لیے ہدی یا رقم بھیجنے کا قدیم دستور

سوق الهدى معه افضل لانه صلى الله عليه وسلم ساق الهدايا مع نفسه. (هدايه)

رسولِ کریم کا حجۃ الوداع میں مدینہ منورہ سے اپنے ساتھ سو ہدی اونٹ کا لے چلنا اور یمن سے حضرت علیؓ کا ہدی لے کر آنا اور دیگر صحابہ کرام کا بھی اپنے اپنے علاقہ سے ہدی ساتھ لے جانا کتب حدیث میں موجود ہے حضور اور بعض صحابہ قارن اور بہت سے صحابہ نے تمتع کا احرام باندھا تھا۔ اور اسی بنیاد پر اور قارن کے لیے ہدی کا ساتھ لیجانا افضل ہے حجۃ الوداع الکا صلوٰۃ اور قران وتمتع آفاقی شخص ہی کے لیے خاص ہے جو دنیا کے ہر دور دراز علاقہ سے آتے ہیں قرآن مجید قافلۂ حجاج عازمین بیت اللہ کی معرفت قربانی کا جانور یا اس کی رقم بھیجنے کا دستور بھی خیرالقرون سے چلا آرہا ہے چونکہ آفاق سے ہدی بھیجنے والے اشخاص دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اس لیے موں کی تعیین کے ساتھ ان کے واقعات کرنا چنداں آسان ہے اور یہ موضوع تاریخ کا ہے رجالِ حدیث علماء اسلام اور افرادِ امت کی سوانحِ زندگی کا مطالعہ کیا جائے اور کم از کم حجاج کی حالاتِ زندگی اور ان کے سفر موں کو جائے تو ضرور اس طرح کے وی بہت سے واقعات دستیاب ہو جائیں گے اور قدرِ مشترک امت کا یہ معمول بھی بخوبی معلوم ہو جائے گا اور ا مکہ کے قدیم ادارے جہاں آفاق سے آئے ہوئے

بہت سے حجاج ان اداروں کے توسط سے قربانی و ... کراتے ہیں ان اداروں نے اِس نوع کا کوئی د...وی محفوظ ر... ہو تو اِس قدر ... کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ من شاء فلیراجع.

یہاں اشارہ کے طور پر اعیان الحجاج سے دو واقعہ ... کرتے ہیں۔ محدثِ کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کے الفاظ میں:

اوّل: ”حضرت علقمہ“ نے متعدد حج کیے ہیں ایک بار وہ حج کو جانے لگے تو حضرت عبداللہ ... نے اپنی ہدی کے جانوران کے ساتھ کر دیے اور فرمایا کہ ذبح کے بعد گوشت کے ... حصے کرنا ایک حصہ تم اور تمہارے ساتھی لیں اور ایک حصہ خیرات کر دینا اور ایک حصہ میرے بھائی عتبہ کے پاس بھجوا دینا۔ حضرت سفیانؒ نے فرمایا یہ نفل قربانی تھی“ (اعیان الحجاج: ۸۳/۱ عن مجمع الزوائد للهیثمی)

دوم: ”شیخ سعدیؒ نے گلستاں میں ایک ... لکھا ہے ہمارے ساتھ حجاز جانے والے قافلہ میں ایک ... رگ بھی تھے ان کو عرب کے ایک امیر نے منیٰ میں قربانی کرنے کے لیے دو سو دینار دیے تھے جاتے جاتے ایک مقام پر قبیلہ بنو خفاجہ کے چوروں نے ہم پر چھاپہ مارا اور جتنا کچھ تھا ... لوٹ لے گئے۔“ (اعیان ...)

نتائج تحقیق

... مذکورہ تحقیق و تنقیح سے معلوم ہوا کہ خیر القرون سے اب تک سلف و خلف، متقدمین و متأخرین، علماء و صالحین اور امت کے ... شمار عامۃ المسلمین نے جتنی قربانیاں کی ہیں یا کرائی ہیں یہ ... اصول شرع کے بالکل مطابق ہیں۔

... اطرافِ عالم کے مختلف خطوں سے اللہ کے کچھ بندے حرم و اہل حرم کی عظمت و محبت میں توسع علی اهل الحرم کے ... سے حجاج کی معرفت قربانی کا جانور یا اس کی رقم بھیج دیتے ہیں تاکہ ان کی طرف سے یوم النحر کو قربانی کی جائے ا... تمام قربانیاں اصول شرعیہ کے ماتحت بالکل ... ہیں۔

... قارن یا ... جو اپنے ساتھ دم قران و تمتع کے لیے ... او... یا گائے ... لے کر چلا اس آفاقی نے اپنے جانور میں اوروں کو بھی شریک کر... ان شرکاء میں بعض صا... اضحیہ ہے، بعض صا... احصار و ... اور دم احصار اگرچہ امام ابو حنیفہؒ کے ... دمِ شکر کی طرح یوم نحر کے ساتھ

خاص ہے لیکن یہ تو طے ہے کہ آفاقی کو احصار کہیں بھی آ سکتا ہے، اگر قارن نے اپنا مشترک جانور یوم النحر کو ذبح کیا تو اصول اور فقہ کی روشنی میں یہ ذبح عندالشرع درست ہے شرکاء اپنے اپنے واجب فی الذمہ سے سبکدوش ہو جائیں گے۔ محصر کا اپنے احرام سے نکلنا کہلائے گا۔ کیونکہ محصر کا احصار جو وجوبِ دم کا سبب ہے وہ کسی وقت خاص کے ساتھ موقت ہے۔ اسی طرح ملکِ نصاب کی وجہ سے ذبح کا اصل سبب مقید بیوم النحر ہے۔

اگر وجود غنا کے ساتھ ذبح کا اصل سبب ہوا بلکہ وقت آنے ہی صاحب ذبح بنے گا تو اتنی صورتوں میں بہت سی واجب قربانیاں موقوف کے مطابق جو من علیہ الاضحیہ کے اعتبار سے قبل از وقت یا بعد از وقت بھی کی گئی ہوں گی وہ رائیگاں ٹھہریں اور اشتراک والی صورت میں دم احصار ادا ہوا اور ہی دم جنایت اور ہی تمتع و قران کا واجب دم کہلائے کیونکہ اراقہ فعل واحد ہے۔ ایک شریک کا بھی دم ادا ہوا تو کسی کی طرف سے بھی اراقۃ الدم کہلائے گا لہٰذا وقت ہی سے اصل وجوب ماننے کا نظریہ مفاسد کثیرہ کو مستلزم ہے۔

خلاصۃ الکلام اور رائے

سابقہ بحث و نظر اور تحقیق کا خلاصہ یہی ہے کہ ذبح اضحیہ کے سلسلہ میں خیر القرون سے چلا آرہا معمول عین شرع کے مطابق ہے یعنی المعتبر مکان الاضحیہ جہاں جانور ذبح کیا جاتا ہے وہاں یوم نحر کا ہونا ضروری ہے اور جن کی طرف سے قربانی ہے چاہے واجب یا نفل ان کے یہاں بھی وقت شروع ہو چکا ہو اس کی رعایت کرنا ائمہ سے منقول ہے اور من علیہ الاضحیہ پر قربانی مالک نصاب ہونے کی وجہ سے واجب ہو جاتی ہے یہی ہے حقیقت میں نفس وجوب جو غنا و یسار پر موقوف ہے۔ افریقہ، طائف اور امریکہ و دیگر ممالک مغربیہ کے باشندوں کی قربانی مشرقی ملکوں میں یہاں کے وقت کے اعتبار سے یا برصغیر کے باشندوں کی قربانی حرمین و دیگر عرب ملکوں میں وہاں کے اوقات کے اعتبار سے شرع کے موافق اور تصریحات فقہیہ کے بالکل مطابق ہے وھذا ھوالمرام. وما علینا الا البلاغ واللہ الموفق لما یحب ویرضی والصلاۃ والسلام علی حبیبہ المصطفیٰ.